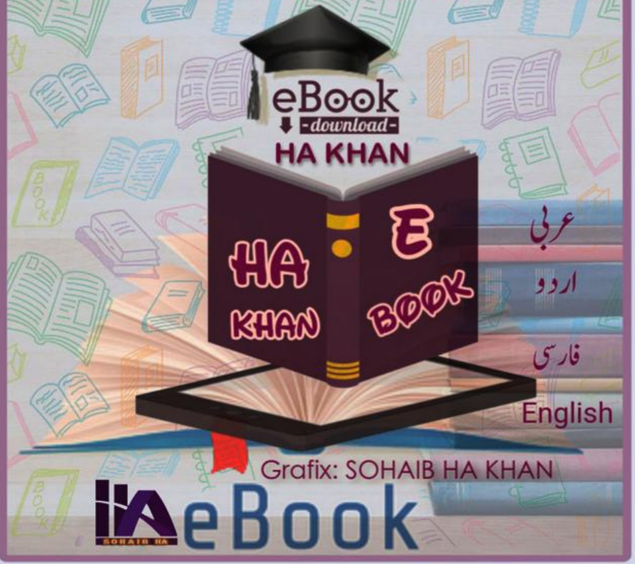
طبی لغت نویسی کے

مبادیات



مصنف:- حکیم محمد اجمل خاں
مترجم:- محمد رضی الاسلام ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طبی لغت نویسی

کے

مبادیات

مصنف

حکیم محمد اجمل خاںؒ

ترجمہ

محمد رضی الاسلام ندوی

ایم ڈی اسکالر۔ شعبہ کلیات
اجمل خاں طبیہ کالج۔ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ



نام کتاب: ــــــــــ طبی لغت نویسی کے مبادیات

مصنف: ــــــــــ حکیم محمد اجمل خانؒ

مترجم: ــــــــــ محمد رضی الاسلام ندوی

ناشر: ــــــــــ محمد رضی الاسلام ندوی

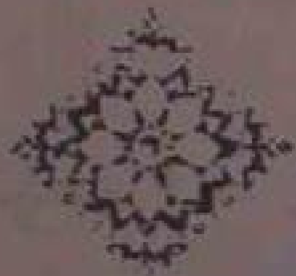
سن اشاعت: ــــــــــ ۱۹۹۱ء

طبع: ــــــــــ اول

تعداد اشاعت: ــــــــــ ۶۰۰ (چھ سو)

قیمت: ــــــــــ 20/-

مطبوعہ: ــــــــــ

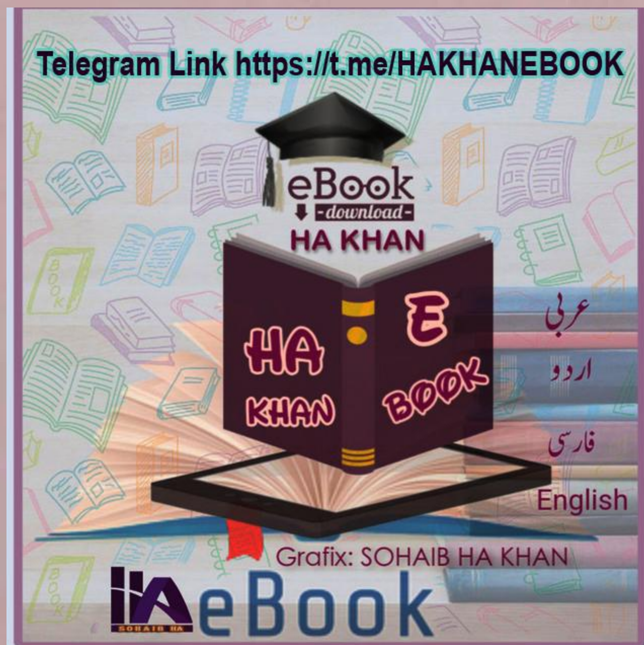


ملنے کے پتے:

۱۔ اسلامک بک ہاؤس۔ شمشاد مارکیٹ۔ علی گڑھ

۲۔ مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت
اترپردیش لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع
ہوئی۔



فہرست مضامین

تعارف

پیش نظر کتابچہ حکیم اجمل خاںؒ کے ایک رسالہ "مقدمۃ اللغات الطبیۃ" کا اُردو ترجمہ ہے۔ حکیم صاحب کے عربی زبان میں تحریر کردہ دوسرے رسائل کا بھی راقم نے اُردو میں ترجمہ کر لیا ہے جنھیں انشاء اللہ جلد ہی ایک مجموعہ کی شکل میں شائع کر دیا جائے گا۔

طبی لغات میں پائی جانے والی غلطیوں کے پیش نظر حکیم اجمل خاں ایک ایسی کتاب لکھنا چاہتے تھے جو مختلف طبی لغات اور مختلف زبانوں کے طبی الفاظ کی جامع ہو اور تمام غلطیوں سے پاک ہو۔ چنانچہ اس سے پہلے انھوں نے یہ مقدمہ تصنیف کیا جس میں طبی لغت نویسی کے قواعد وضوابط اور مبادیات بیان کیے اور وہ اصول بھی درج کر دیے جن کی رعایت وہ اپنی اصل کتاب میں کرتے۔ لیکن غالباً بعد کی قابل قدر سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے انھیں اس کی تصنیف کا موقع نہیں مل سکا۔ یہ مقدمہ غالباً اس دور کا تصنیف کردہ ہے جب حکیم صاحب موصوف نواب رام پور محمد حامد علی خاں بہادر کی ریاست میں طبیب خاص کے عہدہ پر فائز تھے۔ شاید اسی لیے اس کا انتساب انھوں نے نواب رام پور کی جانب کیا ہے۔ البتہ اس کی اشاعت بعد میں ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵/۱۹۱۶ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے باہتمام مولوی محمد عبدالاحد ہوئی۔

اس مقدمہ میں جگہ جگہ میدان طب میں حکیم اجمل خاں کی اجتہادی شان نمایاں ہے۔ اور ان کی لغوی صلاحیت وعبقریت آشکارا ہوتی ہے۔ مجھے حکیم صاحب کی سوانح حیات پر لکھی گئی بعض کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ انھیں المجمع العلمی العربی دمشق (جس کا موجودہ نام مجمع اللغۃ العربیۃ ہے) کا رکن منتخب کیا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ

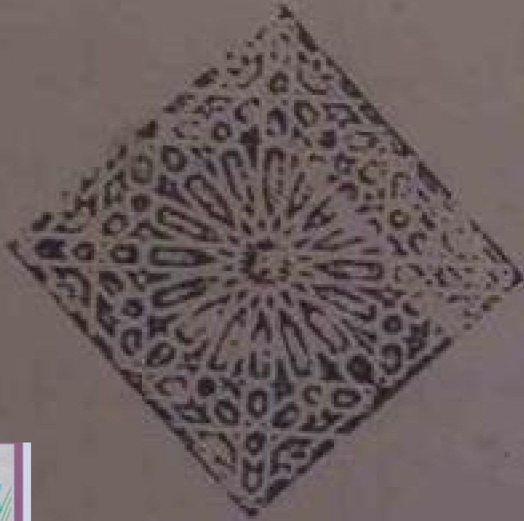
آخر عربی زبان و ادب میں حکیم موصوف کا ایسا کون سا کارنامہ ہے جس کی وجہ سے انھیں اس شرف کا مستحق سمجھا گیا؟ اس مقدمہ سے مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا اور مجھ پر واضح ہو گیا کہ عربی زبان و ادب پر مکمل قدرت اور علم لغت میں گہری دسترس کی بنا پر بجا طور سے حکیم صاحب اس شرف کے مستحق تھے۔

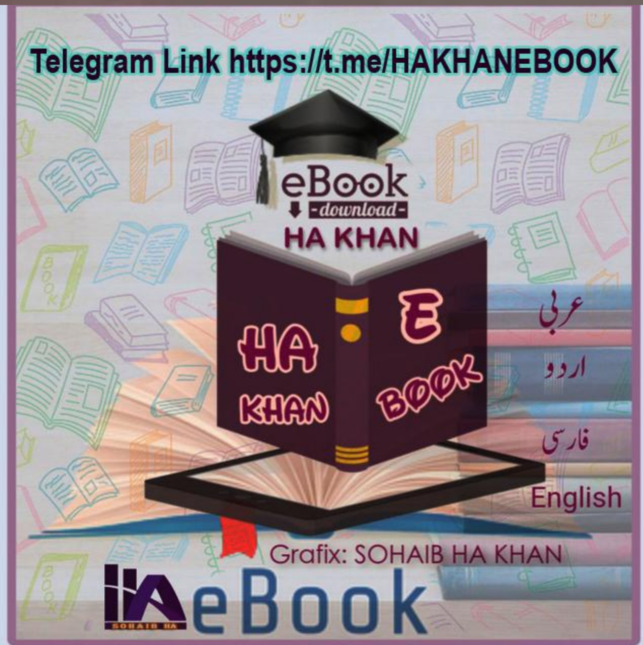
استفادہ میں آسانی کی غرض سے پورے رسالہ کا جوں کا توں ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ البتہ خطبۃ الکتاب اور تمہیدی جملوں کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ ترجمہ کے سلسلے میں اپنے مفید مشوروں سے نوازیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس میں افادیت کا کوئی پہلو ہو تو اس کے اجر سے نوازے اور استفادہ عام کرے۔ آمین!

محمد رضی الاسلام ندوی

ایم ڈی اسکالر، شعبہ کلیات و علم الامراض
اجمل خاں طبیہ کالج
مسلم یونیورسٹی علی گڈھ





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۃ الکتاب کے بعد......

طبی کتب لغات کا سرسری جائزہ

میں نے بتوفیق الٰہی علم طب کی اکثر کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک "بحر الجواہر" بھی ہے۔ خیال تھا کہ یہ کتاب اسم با مسمیٰ ہوگی اور قیمتی موتیوں اور جواہرات سے مالامال ہوگی لیکن یہ دیکھ کر تعجب اور افسوس ہوا کہ اس میں جواہرات کے بجائے خزف ریزے بھرے پڑے ہیں اور بے سروپا باتوں اور بے بنیاد اقوال سے مملو ہے۔ اس کا مصنف قابل ذکر باتوں کو چھوڑ دیتا ہے اور ناقابل اعتنا چیزوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے باوجود لوگوں نے اسے بے مثال تصنیف قرار دیا ہے اور اسے تمام لوگوں کے لیے مفید بتلایا ہے۔ صرف یہی کتاب نہیں بلکہ اس کے علاوہ کچھ دوسری کتابیں بھی ہیں (جن کا ہم یہاں تذکرہ کرنا نہیں چاہتے) جو اگرچہ بعض ماہرین فن کی جانب منسوب ہیں۔ لیکن اگر میں ان پر تنقید کرنے لگوں اور بغیر کسی زیادتی کے انصاف کے ساتھ ان کا تجزیہ کروں تو ان کے مؤلفین کے آراء و افکار کی رکاکت اور بودا پن واضح ہو جائے گا۔

چنانچہ جب میں نے دیکھا کہ اس فن کی مشہور کتابیں بھی غائرانہ مطالعہ کرنے پر درجۂ اعتبار سے گر جاتی ہیں تو ارادہ کیا کہ طبی لغت کی ایک ایسی جامع کتاب تصنیف کروں جو شوائب سے پاک وصاف اور آب چشمۂ حیواں کی طرح خالص ہو۔ لیکن میرے دل میں خیال آیا کہ یہ کام شروع کرنے سے پہلے ایک مقدمہ تصنیف کر دوں جس کی حیثیت کلیات کی ہو۔ اس کے بعد اصل کتاب کی تصنیف شروع کروں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ صدق اور راستگی کی توفیق عطا فرمائے۔

اس مقدمہ کو جب بستر حسد پر پہلو بدلنے والے لوگ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ

اس کتاب سے موضوع کا حق ادا نہیں ہوا لیکن اگر وہ انصاف سے کام لیں گے اور دوسروں کی کتابوں سے اس کا موازنہ کریں گے تو اس کا اعتراف کرنے سے گریز نہیں کریں گے کہ میں نے ہی سب سے پہلے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کی آنکھوں میں سرمہ لگا کر ان کی بینائی تیز کی ہے اور انھیں راہ دکھائی ہے۔ اس مقدمہ میں میں نے وہ تمام چیزیں بیان کی ہیں جو اس موضوع کے تعلق سے میرے ذہن میں آئی ہیں۔ اس میں میں نے ہر صنف کے لیے ایک مستقل باب منعقد کیا ہے۔

لغت نویسی کے دوران پیش نظر رہنے والی باتیں

جس کتاب کا یہ مقدمہ ہے اس میں ہم چند امور کا خیال رکھیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سطور ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کر دیں تاکہ قارئین ان سے آگاہ رہیں اور اگر بعض مقامات پر ہم ان کی رعایت سے غافل ہو جائیں تو وہ ہمیں معذور سمجھیں کہ بھول جانا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

۱۔ ہم اس میں صرف وہی الفاظ ذکر کریں گے جو طب سے متعلق ہوں گے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ۱؎ یا تو ان کا استعمال طب میں بطور اصطلاح ہوتا ہوگا جیسے صَوْع، سَرْسَام، غِبّ، مُحَکِّک، جَالِی وغیرہ یا وہ آلات جیسے قَاثَاطِیر یا جراحت سے متعلق آلات کے نام ہوں گے۔ ۲؎ یا ان کا استعمال بطور اصطلاح نہیں ہوگا۔ مثلاً اہل عرب بعض امراض، اعضاء اور ادویہ کو ایسے نام سے پکارتے ہیں جو طب میں متداول اور اصطلاحی نہیں ہوتے مثلاً وہ دُبَیْلَہ کو دَاجِلَہ سر اور حَبْلُ العَتَق کو نِطَاب، سرین کو نُخْبَہ، حَنْظَل یا اس کے تخم کو ھَبِیْد اور فولاد کو یَلَب کہتے ہیں۔ ہم مؤخرالذکر صنف کو صنف اول کی طرح بیان کرنے کا التزام نہیں کریں گے۔ اس صنف میں وہ اسماء بھی داخل ہیں جو اگرچہ طب کے ساتھ خاص نہیں ہیں لیکن اس میں مستعمل ہیں مثلاً آجام اور بَطَائح یہ الفاظ باوجود طب کے ساتھ خاص نہ ہونے کے اطباء کی زبانوں پر جاری رہتے ہیں۔ چنانچہ طبی کتابیں شاذ و نادر ہی ان سے خالی ملیں گی۔ البتہ ہم ان الفاظ کو بیان کرنے سے احتراز کریں گے

جن کا طب سے کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً ھَرَوِی نے اپنی کتاب میں جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ کا بھی تذکرہ کیا ہے حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ دو قمری مہینوں کے نام ہیں۔ ان کا طب سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ اگر کوئی لفظ دو اجزاء سے مرکب ہو اور اس سے ان دونوں اجزاء کے مدلول کے علاوہ کوئی دوسرا معنی نہ معلوم ہوتا ہو تو ہم اس کی تفصیل نہیں بیان کریں گے صرف متن میں اسے درج کر دیں گے کیوں کہ ہم دونوں اجزا کو الگ الگ ان کی جگہوں پر تفصیل سے بیان کریں گے مثلاً حُرْقَةُ العَیْن اس کے دونوں اجزاء (حُرْقَة اور العَیْن) کا تذکرہ ہم باب الحاء اور باب العین میں کریں گے۔ حرقۃ العین کے تحت اس کی تفصیل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے ہم صرف اس لفظ کا تذکرہ کر دیں گے تاکہ متن میں کوئی مرض ذکر ہونے سے نہ رہ جائے۔

۳۔ اگر کسی مرض کے کئی نام ہوں تو ہم ان میں سے مشہور کا تذکرہ اس کے باب میں کریں گے بقیہ کو اگرچہ ان کی جگہوں پر درج کر دیں گے لیکن ان کی تعریف ذکر نہیں کریں گے۔ بلکہ پیچھے یا آگے کا حوالہ دیں گے۔ مثلاً شَخُوص کہ اس مرض کے کئی نام ہیں مثلاً آخِذَة مُدْرِکَہ اس مرض کی تعریف ہم صرف باب الشین میں کریں گے۔ باب الالف اور باب المیم میں نہیں کریں گے۔ باب الالف میں ہم صرف اتنا لکھ دیں گے کہ آخذہ کو شخوص بھی کہتے ہیں اس کا تذکرہ آگے آئے گا اور باب المیم میں لکھ دیں گے کہ مدرکہ کو شخوص کہتے ہیں۔ اس کا بیان گزر چکا۔

۴۔ جن شاذ اسماء کا استعمال بہت کم ہوتا ہے۔ اگر ہو سکا تو ان کی نسبت ہم ان کے ناقل یا قائل اول کی طرف کریں گے مثلاً "مِرَّةٌ زِنْجِیَة" (جو صفراء کی ایک قسم کا نام ہے) کو ہم جالینوس کی طرف منسوب کریں گے۔ کیوں کہ اس نے اپنے بعض مقالات میں اس کا نام صراحت سے "مِرَّةٌ زِنْجِیَة" لکھا ہے۔

۵۔ بعض نامہ تصنیفات کی کتابت (خواہ وہ قدیم خط میں ہوں یا جدید خط میں) صحیح نہیں ہوتی۔ اس صورت میں ہم اکثر صحت کا اعتماد کر لینے کے بعد ہی ان سے کسی لفظ کو

نقل کریں گے۔ لیکن اکثر ان کتابوں کی تحریریں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ چنانچہ اگر ہم کسی کتاب سے کوئی نام یا کوئی لقب بیان کریں اور وہ کتاب کے دوسرے نسخے میں موجود نام یا لقب سے مختلف ہو تو اس میں صحیح کی تحقیق دشوار ہوتی ہے اور اس سے مفر نہیں ہوتا۔ مثلاً ہروی نے جہاں حُمّیٰ دِقّی کا نام لکھا ہے وہاں وہ سرگرداں نظر آتا ہے۔ چنانچہ کبھی اس کا نام اَفِطیقُوس ذکر کرتا ہے تو کبھی اَفُطِیفُوس کہیں اَنْطِیقُوس لکھتا ہے تو کہیں اَتُطِیقُوس اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ جو کتابیں اس کے پاس جن سے اس نے نقل کیا ہے ان کے پیش نظر تھیں ان میں ان ناموں کے سلسلے میں اختلاف تھا۔ چنانچہ اس نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سب حُمّیٰ دِقّی کے نام ہیں۔

۶۔ اطبا نے اسماء کی جو تعریفیں ذکر کی ہیں ہم انھیں بغیر کسی تغیر کے بیان کریں گے البتہ بسا اوقات ان کے کلام سے تعریفات کا استنباط کرلیں گے۔ مثال کے طور پر جالینوس نے سَادِ سَۃُ التَعَرُّف میں لکھا ہے:۔

'جب تمام آنتیں اور معدہ مرض کا شکار ہو جائے اور اندرون جرم مادوں کو تھوڑی دیر کے لیے بھی نہ روک سکے اور یہ مرض لذع پیدا کرنے والا بھی نہ ہو تو اسے زَلَقُ الْاَمْعَاء کہتے ہیں۔' اس جملہ سے استنباط کر کے ہم یہ لکھیں گے کہ زَلَقُ الْاَمْعَاء وہ مرض ہے جس میں لذع نہیں ہوتا اور اس میں آنتیں اور معدہ اندرون جرم مادوں کو تھوڑی دیر کے لیے بھی روکنے پر قادر نہیں ہوتے۔ اس تعریف کو ہم بوقت ضرورت بغیر کسی تردد کے جالینوس کی طرف منسوب کر دیں گے اور بعض الفاظ کی تبدیلی یا تقدیم و تاخیر کی پرواہ نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ جالینوس کے کلام سے ہم نے جو بات مستنبط کی ہے وہ باعتبار معنی بعینہٖ وہی ہے جو جالینوس نے کہی ہے۔ یہ ہم نے محض مثال کے طور پر بیان کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم زَلَقُ الْاَمْعَاء کے تحت اسی تعریف کو بیان کریں گے۔

۷۔ اگر ایک چیز کے کئی نام ہوں اور ان میں سے بعض کے سلسلہ میں ہم کو اشتباہ ہو جائے اور کچھ شک پیدا ہو جائے تو ہم اس کا ذکر نہیں کریں گے اور اگر ذکر کیا بھی تو ساتھ ہی مشکوک کی علامت "م" بھی بنا دیں گے۔

۸۔ اگر ہم غیر مشہور یا فن طب سے کم واقفیت رکھنے والے اطبا کی تصانیف میں شاذ

القاب دیکھیں گے تو ان کا تذکرہ صرف اسی صورت میں کریں گے جب وہ ماہرین فن سے نقل کر رہے ہوں۔

۹۔ اگر ہم کسی باب میں ایک اسم کا ذکر کریں گے اور اس کی کئی اقسام ہوں گی تو دیکھیں گے کہ کیا ان اقسام میں اس اسم کے مقابلے میں مزید کچھ قیود پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ اگر پائی جاتی ہوں گی تو ہم اسی اسم کے ساتھ انھیں بھی بیان کر دیں گے۔ مثلاً سِرْسَام کے تحت ہم ذکر کریں گے کہ سِرْسَام ورم کو کہتے ہیں خواہ دماغ کی کسی ایک غشا میں ہو یا دونوں اغشیہ میں یا دماغ میں یا ان سب میں۔ چنانچہ ہم وہاں سِرْسَام حَقِیقِی اور سِرْسَام مَجَازِی دونوں کو ان کی تعریفوں کے ساتھ بیان کریں گے اور اگر اس اسم کی اقسام میں مزید کچھ قیود نہیں پائی جاتی ہوں گی بلکہ وہ باعتبار لفظ مختلف ہوں گی مثلاً قَرَانِیطُس اور لِیثَرغَس کہ یہ دونوں اگرچہ سرسام کی اقسام میں سے ہیں لیکن باعتبار لفظ مختلف ہیں تو انھیں ہم ان کے ابواب (باب القاف اور باب المیم) میں الگ الگ ذکر کریں گے۔

۱۰۔ جب کسی شے کے معنی کی تعیین یا حرکات کی تعیین یا کسی دوسری چیز کے سلسلے میں مختلف اقوال منقول ہوں تو اس سلسلے میں ہم جمہور یا افضل مرتبہ کے قائلین کا اعتبار کریں گے اور اگر ضرورت ہوئی تو اس اختلاف پر بھی بحث کریں گے۔

مقدمہ کی ضرورت:

ہمیں یہ مقدمہ لکھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کیونکہ الفاظ و اسماء کے حالات مختلف اور اقسام متنوع ہوتے ہیں اور ہر ایک کا ایک درجہ ہوتا ہے جس سے واقفیت ضروری ہے تاکہ صحیح و سقیم اور غث و سمین میں تفریق کی جا سکے۔ چونکہ امراض، ادویہ یا ان کے مشابہ چیزوں کے نام مختلف وجوہ سے رکھے جاتے ہیں اس لیے ہم نے مقدمہ میں طلباء کی توضیح اور باب کی تفصیل کے لیے طب میں مستعمل مجازات بیان کیے ہیں۔ اطباء بسا اوقات دو الفاظ سے مرکب کرکے ایک لفظ بناتے ہیں اس کے بارے میں بھی ہم نے ایک باب منعقد کیا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ہمیں علم اشتقاق جاننے کی ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ اطباء کہتے ہیں کہ فلاں کلمہ فلاں سے مشتق ہے۔ اور ہم میں سے بعض یا اکثر اس کا مطلب نہیں سمجھ پاتے ہیں اس لیے اس کے لیے بھی ہم نے ایک باب منعقد کیا ہے۔ اسی طرح بعض اسماء پر "ال" داخل نہیں ہوتا مثلاً قَرَانِیطُس وغیرہ،

اور بعض الفاظ کتابت میں دوسرے الفاظ سے ملتے جلتے ہیں۔ بعض اسمار کا صرف ایک معنی ہوتا ہے لیکن اگر ہم انھیں کسی دوسرے اسم کی طرف منسوب کر دیں تو اضافت کی وجہ سے ان کے معنی بدل جاتے ہیں۔ بسا اوقات ایک عام لفظ علی الاطلاق بولا جاتا ہے لیکن اس سے ایک خاص معنی مراد ہوتے ہیں۔ ہم نے ان تمام امور کو اور ان سے مشابہ دوسری باتوں کو مستقل ابواب کے تحت بیان کر دیا ہے اور چونکہ دوسرے امور بھی فائدہ سے خالی نہیں اس لیے ہم نے ہر صنف پر ایک مستقل باب میں بحث کی ہے۔

یہ خیال جو میرے ذہن میں آیا ہے۔ مجھ سے پہلے کسی کے ذہن میں نہیں آیا۔ اب ہم اللہ تعالیٰ سے استقامت طلب کرتے ہوئے اور اس پر توکل کرتے ہوئے مقدمہ کا آغاز کرتے ہیں۔ اس میں چھتیس[۳۶] ابواب ہیں[۱]

باب ۱

شاذ الفاظ

شاذ سے مراد یہاں وہ الفاظ ہیں جنھیں جمہور اطبار کے نزدیک قبول عام حاصل نہ ہو اور ان کا استعمال شاذ و نادر ہی ہو۔ مثلاً اگر کسی لفظ کو بقراط، جالینوس، شیخ قرشی یا دوسرے ائمہ فن نے بیان کیا ہو تو اسے قبول کیا جائے گا اگر وہ جمہور کے خلاف نہ ہو یا انھیں جیسے کسی شخص نے اس کی مخالفت نہ کی ہو لیکن اگر کسی شئ کے تسمیہ میں جالینوس بقراط کی مخالفت کرے تو جالینوس کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ بقراط کا۔ اس لیے کہ مقدم الذکر فن طب میں باوجود زمانہ کے اعتبار سے متاخر ہونے کے مؤخر الذکر سے افضل ہے۔ اسی طرح شیخ کے مقابلے میں قرشی کا اعتبار نہ ہو گا۔ اس لیے کہ تسمیہ

---

[۱] مصنف نے صرف چونتیس[۳۴] ابواب بیان کیے ہیں۔ (مترجم)

کے سلسلہ میں وہ قرشی سے زیادہ معتبر ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں اس کا درجہ جالینوس سے کمتر ہوگا۔

شاذ کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ شاذ لفظی: جس کا معنی معروف ہو لیکن لفظ کا استعمال کم ہوتا ہو۔

۲۔ شاذ معنوی: جس کا معنی اطبار کے نزدیک غیر معروف ہو۔

۳۔ شاذ لفظی و معنوی: جس کا معنی بھی غیر معروف ہو اور لفظ کا استعمال بھی کم ہوتا ہو۔

شاذ لفظی کی مثال اَقُمَاؤس، یہ حمی یوم کا نام ہے۔ اس کا معنی معروف ہے لیکن اس لفظ کا استعمال نادر ہے۔ شاذ معنوی کی مثال تَدْبِیر: اس کا مطلب ہے مقدار، نوع اور وقت کے لحاظ سے باعتبار واجب اسباب ستہ ضروریہ میں تصرف یہ معنی اطبار کے نزدیک معروف ہے لیکن بقراط اس سے مراد صرف غذا کے معاملہ میں تصرف مراد لیتا ہے۔ یہ معنی اطبار کے نزدیک شاذ ہے۔

تیسری قسم کی مثال مِرّہ زِرْنِیخِیَہ ہے۔ یہ صفراء غیر طبعی کی ایک قسم ہے۔ لیکن یہ طبی کتب میں مذکور صفرار کی اقسام کے علاوہ ہے اور صفراء غیر طبعی کی اقسام زنجاریہ اور کراثیہ کے علاوہ ایک دوسری قسم ہے۔ اس طور پر یہ لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے شاذ ہوگا۔ باعتبار لفظ اس وجہ سے کیوں کہ اسے جالینوس نے وضع کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے اطبار نے اس کا استعمال نہیں کیا اور باعتبار معنی اس لیے کیونکہ یہ صفرار غیر طبیعی کی معروف اقسام کے علاوہ ہے۔

شاذ لفظی کی چند اور مثالیں درج ذیل ہیں:

خَوْلَانْ: حُضَض کے معنی میں

حُمَّر: تمر ہندی کے معنی میں

جُلْبَہ: خشک ریشہ کے معنی میں

یہ الفاظ باوجود یہ کہ عربی زبان کے ہیں۔ لیکن اطبار نے ان کا استعمال نہیں کیا ہے۔ شاذ کی تمام اقسام کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ لیکن یہاں ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

باب ۲

مختلف فیہ الفاظ

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی لفظ کے عوارض (یعنی حرکات ثلاثہ، سکون اور مد و قصر وغیرہ) حروف، جوہر، معنی اور اسباب میں اختلاف ہو۔

حروف اور عوارض کے اعتبار سے اختلاف کی تین صورتیں ہیں:

۱. روایت کی رو سے
۲. کتابت کی رو سے
۳. ترجمہ کی رو سے

جہاں تک روایت کا تعلق ہے تو اس میں غلطی ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ کہ روایت کے وقت وہ لفظ ٹھیک سے یاد نہ ہو پائے۔ اس لیے کہ بسا اوقات سامع کسی لفظ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیتا ہے لیکن کچھ دن گزرنے کے بعد وہ اسے دوسری طرح بیان کرتا ہے اور یادداشت میں کمی کے باعث اسے غلطی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ دوسری صورت یہ کہ روایت ہی کے وقت حروف کی آوازیں ایک جیسی ہونے کے سبب وہ لفظ کو ٹھیک سے نہ سن سکا ہو۔ مثلاً ذ اور ظ اور ض، ث س اور ص، ت اور ط، ض اور د، اور ح اور ہ کی آوازیں۔ ایسا اکثر اس وقت ہوتا ہے جب بولنے والا خالص عربی نہ ہو۔ اس لیے کہ عجمی لوگ غیر فصیح ہونے کی وجہ سے اکثر ان الفاظ کی ادائیگی اس طرح کرتے ہیں کہ سننے والے کے لیے ان میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال حَضَضْ ہے۔ اس کے بارے میں بعض کا کہنا ہے کہ دونوں حروف ض ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ دونوں ظ ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ پہلا ض ہے دوسرا ظ، جب بھی

اس قسم کا اختلاف سامنے آئے تو اسے سماع یا حافظے کی کمی پر محمول کرنا چاہیئے۔

رہی کتابت تو اس میں غلطی حروف اور الفاظ کے ایک جیسے ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان کے باہم مشابہ ہونے کی وجہ سے کاتب کا قلم بسا اوقات ان کے درمیان فرق واضح نہیں کرپاتا۔ مثلاً س اور ع، ﺳ اور د۔ ط اور ص۔ ش اور غ، ز اور ذ، ظ اور ض باہم مشابہ ہیں۔ ان میں فرق صرف نقطوں کا ہے چنانچہ اگر کاتب سے نقطے چھوٹ جائیں تو قاری یا ناقل اشتباہ میں پڑ جائے گا۔ اسی طرح ج ح خ اور ب، ت، ث کے درمیان بھی صرف نقطوں کا فرق ہے۔ یہی حال ن کا ہے کہ اگر وہ کسی لفظ کے شروع میں یا درمیان میں آئے تو وہ ب وغیرہ کے مشابہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات د ﺳ کے مشابہ ہوجاتا ہے۔ خواہ اسے الگ یا کسی لفظ میں ملاکر لکھا جائے اور اسی طرح اگر "لا" کے دونوں ڈنڈے چھوٹے رہ جائیں تو وہ "ط" کے مشابہ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اگر ع اور غ کسی لفظ کے درمیان میں ہوں تو یہ ف اور ق کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور ف اور ق بعض حالات میں جب کاتب ان کا دائرہ ٹھیک سے نہ بنائے ب وغیرہ کے مشابہ ہوجاتے ہیں۔ پھر یہ کہ ف اور ق میں آپس میں بھی بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔

رہا ترجمہ تو اس میں اکثر اختلاف الفاظ کو عربی میں منتقل کرنے کے دوران ہوتا ہے۔ اس لیے کہ مترجمین عجمی الفاظ کو عربی میں منتقل کرتے وقت ایسے الفاظ سے بدل دیتے ہیں جن کی ادائیگی آسان ہو اور وہ عربوں کی زبان پر بار نہ ہوں۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ بعض گ کو ج سے بدلتے ہیں۔ مثلاً جَصّ کہ فارسی میں اس کی اصل گچ ہے۔ اور بعض گ کو ک سے بدلتے ہیں۔ مثلاً فَنْجَنْکُشْت کہ اس کی اصل فارسی میں پنج انگشت ہے۔ (گ کو ک سے بدل دیا گیا ہے) بعض پ کو ب سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً بَرْسِیَاوُشَاں کہ وہ پرسیاوشاں کا معرّب ہے۔ بعض پ کی جگہ ف استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً فَادْزَھَر کہ وہ اصل میں پادزھر تھا۔ اور مِیْفُخْتَج کہ وہ می پختہ سے معرّب ہے۔ اسی طرح پستہ کو عربی میں کبھی فُسْتُق کہا جاتا ہے اور کبھی

بَسْتَج ۔ اگر مترجمین کی طرف سے اس قسم کا اختلاف ظاہر ہو تو ان میں سے کسی کو غلطی پر نہیں قرار دیا جائے گا الا یہ کہ وہ عجمی ہو اور تعریب کے اصول اور طریقوں کی مخالفت کر رہا ہو۔

حرکات کے پہلو سے اختلاف بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ یہ بیّن ہے۔ بسا اوقات کاتب کسی حرف پر زبر لگا دیتا ہے حالانکہ اس پر زیر ہونا چاہیئے یا کسی پر حرکت لگا دیتا ہے جبکہ اس پر سکون ہونا چاہیئے۔

رہا جوہر لغت کے اعتبار سے اختلاف (یعنی مثلاً فلاں لفظ عربی الاصل ہے یا فارسی الاصل یا یونانی الاصل یا وہ مفرد ہے یا مرکب؟ وغیرہ) تو وہ کسی زبان کے مخصوص الفاظ اور حروف میں غور نہ کرنے یا ان سے ناواقف رہنے کے سبب ہوتا ہے۔ مثلاً لفظ سَرْسَام اس کے بارے میں بعض نے کہا ہے[1] کہ یہ یونانی لفظ ہے اس کی اصل سَرْسِیمُوسْ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ فارسی اور یونانی سے مرکب ہے۔ سر فارسی لفظ ہے اور سام یونانی ہے جس کے معنی ورم کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ فارسی اور عربی سے مرکب ہے۔ سر فارسی اور سام عربی ہے جس کے معنی موت یا مرض کے ہیں۔ یہ اختلاف بعض لوگوں کے یونانی زبان سے عدم واقفیت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یونانی میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح جن لوگوں نے اسی فارسی اور یونانی سے مرکب قرار دیا ہے۔ وہ بھی ناواقفیت کا شکار ہیں کیوں کہ انھیں نہیں معلوم کہ یونانی اور فارسی زبانوں کا کبھی اختلاط ہی نہیں ہوا کہ ان کی ترکیب سے اسماء وجود میں آئیں۔ جو لوگ اسے فارسی اور عربی سے مرکب کہتے ہیں۔ وہ بھی حقیقت کے ناواقف ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس لفظ کے دونوں اجزاء فارسی کے ہیں۔ سام آماس کا مقلوب ہے اس کے معنی لام کے ہیں جیسا کہ بعض فارسی کتابوں میں بصراحت مذکور ہے۔

رہا معنی کے پہلو سے اختلاف تو یہ اطبار کی تعریفوں اور تعبیرات میں اختلاف کے سبب ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اختلاف یا تو معروف معنی میں ہوگا۔ مثلاً بعض لوگوں نے کہا ہے

---

[1] محشی نے لکھا ہے کہ یہ بات انطاکی نے اپنی کتاب نزہۃ میں کہی ہے۔

کرائیلاؔ ذمس کے معنی یونانی زبان میں یَارَبِّ ارْحَمْ (اے رب رحم کر) ہے۔ جبکہ بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں المُسْتَعَاذُ مِنۂ (وہ چیز جس سے پناہ مانگی جائے) یا اس معنی میں ہوگا جس سے کوئی چیز جانی جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ رَمَدُ بعض لوگوں کے نزدیک حار دموی مادوں کے سبب آنکھ کے طَبَقَۂ مُلْتَحِمَہ کے ورم کو کہتے ہیں۔ جبکہ بعض دوسروں کے نزدیک صرف ورم طَبَقَۂ مُلْتَحِمَہ کو کہتے ہیں خواہ وہ دموی مادوں سے ہو یا دوسرے اخلاط سے۔ یا مثلاً اُوْقِیَہ بعض لوگوں کے نزدیک ساڑھے سات مثقال کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک آٹھ مثقال کو۔ اس قسم کا اختلاف حقیقت سے ناواقفیت یا علاقوں اور ان کی اشیاء میں اختلاف کے سبب ہوتا ہے۔ موخر الذکر وجہ بدقت دیکھنے پر اکثر حالات میں اول الذکر کی طرح راجع ہوتی ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب مختلف فیہ الفاظ کی قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ باعتبار بَسَائِط ان کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ اختلاف عوارض کی جنس میں ہو۔ مثلاً حرکات ثلاثہ (زیر، زبر، پیش) سکون اور مد و قصر وغیرہ۔

۲۔ اختلاف حروف کی جنس میں ہو۔ اس میں مشدد اور مخفف داخل ہیں۔

۳۔ اختلاف جوہر لغت میں ہو۔ مثلاً یہ کہ فلاں لفظ فارسی سے ماخوذ ہے یا کسی دوسری زبان سے؟ یا یہ کہ وہ مفرد ہے یا مرکب؟

۴۔ اختلاف معنی میں ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔

باعتبار مُرَکّب ان کی گیارہ قسمیں ہیں۔ اس لیے کہ ان کی ثنائی اقسام چھ، ثلاثی اقسام چار اور رباعی قسم ایک ہے۔ وہ یوں کہ اول قسم یا تو دوسری قسم کے ساتھ مرکب ہوگی یا تیسری کے ساتھ یا چوتھی کے ساتھ اور دوسری قسم یا تو تیسری قسم کے ساتھ مرکب ہوگی یا چوتھی قسم کے ساتھ اور تیسری قسم صرف چوتھی قسم کے ساتھ مرکب ہوگی۔ اس طرح چھ قسمیں ہیں اور ثلاثی کی چار قسمیں یوں ہوں گی کہ پہلی اور دوسری قسمیں کبھی تیسری قسم کے ساتھ مرکب ہوں گی اور کبھی چوتھی قسم کے ساتھ۔ اسی طرح تیسری اور چوتھی قسمیں کبھی

دوسری قسم کے ساتھ مرکب ہوں گی کبھی پہلی قسم کے ساتھ۔ اس طرح ان کی چار قسمیں ہوئیں اور رباعی کی صرف ایک قسم ہوگی کیوں کہ بساط کی تعداد صرف چار ہے۔ اس طرح بسائط اور مرکبات کی مجموعی تعداد پندرہ ہوگی۔

مذکورہ تفصیلات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد اب اس بات پر قدرت حاصل ہوگئی ہوگی کہ کسی لفظ میں اختلاف ہونے کی صورت میں فی الجملہ صحیح بات کس طرح معلوم کی جائے۔ مثلاً قَاثَاطِیُر اور قَانَاطِیُر میں اختلاف کی صورت میں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ کتابت میں غلطی کی وجہ سے ہے کیوں کہ دونوں کے درمیان فرق بسا اوقات کاتب ملحوظ نہیں رکھ پاتا۔ اسی طرح اگر حَضَض کے سلسلہ میں اختلاف ہو تو اسے سماع یا حافظہ میں نقص پر محمول کرنا چاہیے۔ اسی طرح قَصّ کے سلسلہ میں جو اختلاف ہے کہ یہ معرب اور یونانی الاصل ہے یا عربی ہے؟ اس کا سبب جوہر لغت میں قلت تدبر ہے۔ حاصل یہ کہ کسی لفظ کے سلسلہ میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ کیوں کہ واضع ایک لفظ کو اس کی حرکات، سکون اور حروف میں تحقیق کے ساتھ وضع کرتا ہے۔ اس میں جو کچھ تغیر ہوتا ہے وہ مذکورہ بالا اسباب یا انھیں جیسے کچھ دوسرے اسباب کی بنا پر ہوتا ہے۔ اسی طرح درحقیقت معنی میں بھی اختلاف نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ ایسا حقیقت سے عدم واقفیت کی بنا پر ہوتا ہے۔ مثلاً اَدۡقِیَہ کا لفظ ایک خاص وزن پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا۔ پھر لوگ اس کا استعمال دوسرے مختلف اوزان کے لیے کرنے لگے۔ اس طور پر حقیقت تو ایک ہی ہوئی۔ اسی طرح لفظ فَالِج پہلے پورے بدن یا اس کے ایک جزء (خواہ وہ کوئی ایک عضو ہو) میں واقع ہونے والے اِسۡتِرۡخَاء پر دلالت کے لیے وضع ہوا۔ پھر جب اطبا نے دیکھا کہ استرخا سر کے علاوہ بدن کے صرف ایک ہی جانب ہوتا ہے تو انھوں نے کہا کہ فَالِج وہ عام استرخاء ہے جو سر کے علاوہ طول میں بدن کے ایک جانب ظاہر ہوتا ہے۔ یہی تعریف جمہور کے نزدیک ہے۔ اس طور پر ہمارے زمانے میں فالج کی حقیقت صرف یہ ہے کہ بدن کے ایک جانب استرخا ہو جائے۔ رہا فالج کو مطلق استعمال کر کے اس سے مراد بدن کے کسی ایک جزء کا استرخاء مراد لینا تو یہ طبی مجاز ہے۔

باب ۲

معرّب اور دخیل الفاظ

مُعَرَّب اس لفظ کو کہتے ہیں جو عجمی ہو اور اسے اہل عرب یا عربی زبان جاننے والے اطبا اپنے طرز پر ادا کریں اور دَخِیل اس عجمی لفظ کو کہتے ہیں جس میں بغیر کچھ تصرف کیے اہل عرب یا اطباء اسے جوں کا توں اپنی زبان یا فن میں شامل کر لیں۔ ان دونوں کو ہم نے ایک باب میں اس لیے جمع کر دیا ہے کیوں کہ دونوں عجمہ میں مشترک ہیں۔ جن لوگوں نے معرّب کی تعریف یہ کی ہے کہ معرّب وہ عجمی لفظ ہے جسے اہل عرب اپنی زبان سے ادا کریں۔ خواہ اس میں کوئی تغیر واقع ہو یا نہ ہو۔ ان کے نزدیک معرّب اور دخیل میں کچھ فرق نہ ہوگا۔

عربی زبان سے ان دونوں قسم کے الفاظ کے اختلاط کی علت ترجمہ اور لوگوں کا باہمی اختلاط ہے۔ اہل عرب نے جب بلاد عجم کو فتح کیا تو وہ وہاں کی زبان کے بعض الفاظ استعمال کرنے لگے یا تو ان میں کچھ تبدیلی کر کے یا جوں کا توں۔ اسی طرح اطبا نے جب عجم میں مہارت حاصل کی تو عجمی زبان میں کتابیں بھی تصنیف کیں۔ اسی طرح بعض امراض صرف بعض ممالک عجم ہی میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیے قدیم طبی کتب میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اس صورت میں اگر کوئی طبیب انھیں بیان کرنا چاہے تو اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنی تصنیفات میں ان کا استعمال کرے۔ اس طرح کچھ زمانہ گزرنے کے بعد ان کا شمار طبی اصطلاحات میں ہونے لگے گا۔ اکثر مواقع پر معرّب اور دخیل الفاظ کے درمیان فرق کرنا دشوار ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ یونانی، رومی یا سریانی زبانوں کے ہوں۔ اس لیے کہ اطبا ان زبانوں سے ناواقف ہیں۔ اس لیے وہ ان میں تمیز کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ ان کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت اسی وقت

حاصل ہو سکتی ہے جب ان زبانوں کا علم ہو تاکہ اصل واضح ہو سکے اور یہ معلوم ہو کہ کیا اس لفظ میں کوئی تغیر ہوا ہے یا نہیں؟ جب صورت حال یہ ہو تو اس کے لیے اس زبان کی کتابوں کا تتبع کرنا چاہیے۔

کسی لفظ کا عجمی ہونا متعدد وجوہ سے جانا جا سکتا ہے:

۱۔ ائمہ فن سے ان کا عجمی ہونا منقول ہو۔

۲۔ عربی زبان کے اوزان سے خارج ہو۔ مثلاً اِبْرِیْسَم کہ اِفْعِیْلَلُ عربی اوزان میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح فِعْلَلُ بھی عربی اوزان میں سے نہیں ہے (مگر یہ کہا گیا ہے کہ ایک ضعیف لغت میں دِرْھَمٌ اور ضِفْدَعٌ باوجود عربی الفاظ ہونے کے اس وزن پر آئے ہیں)۔

۳۔ پہلا حرف ن ہو اور اس کے بعد ر آئے۔ مثلاً نَرْجِسُ کیوں کہ عربی الفاظ اس طرز پر نہیں آتے۔

۴۔ آخری حرف ز اور ماقبل آخر د ہو۔ مثلاً مُھَنْدَزٌ کہ یہ ھِنْدَازَہ کا معقول ہے۔

۵۔ اس میں ص اور ج جمع ہوں۔ مثلاً صَوْلَجَانٌ، جَصٌّ، صَھْرُوْجٌ، اِجَّاصٌ وغیرہ

۶۔ اس میں ج اور ق جمع ہوں مثلاً قَبْجٌ، جَرْدَقٌ (بمعنی چپاتی) یہ دونوں حروف پانچ چھ الفاظ کے علاوہ عربی زبان میں کہیں جمع نہیں ہوتے۔

۷۔ وہ رباعی یا خماسی ہو اور حروف ذَلَاقَہ سے عاری ہو۔ حروف ذلاقہ یہ ہیں: ب، ر، ف، ل، م، ن مثلاً سَفَرْجَلُ۔

۸۔ اس میں ط اور ج جمع ہوں مثلاً طَاجِنُ اور طَیْجَنٌ

۹۔ وہ لفظ ب اور س سے مرکب ہو۔ مثلاً بُسْتَجُ

۱۰۔ اس میں س اور ز یا س اور ذ جمع ہوں۔ اس لیے کہ یہ دونوں حروف کسی عربی لفظ میں جمع نہیں ہوتے۔ صرف معرب الفاظ ہی میں آتے ہیں۔ مثلاً سَذَابٌ،

اور سَاذِجُ۔

۱۱۔ اس میں ش، ل کے بعد آئے۔ (اس کی مثال اس وقت ذہن میں نہیں ہے)

★ جن حروف کو اہل عرب گفتگو کے وقت دوسرے ایسے حروف سے بدل دیتے ہیں جن کی ادائیگی زبان پر بار نہیں ہوتی، وہ درج ذیل ہیں:

ت: اسے وہ ث سے بدل دیتے ہیں مثلاً تُوثُ، کبھی ت کو ط سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً طَیہُوج

پ: اسے وہ ب سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً بَرکَارِیَة کہ اصل اس کی پرکاریہ ہے۔ یہ دِیَابیطَس کو کہتے ہیں۔ بسا اوقات وہ پ کو ف سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً فَادُزَھر کہ وہ پادزھر سے معرب ہے۔

الف: بسا اوقات اسے ع سے بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً اَنزَرُوت فارسی لفظ ہے۔ اور اس کا معرب عَنزَرُوت ہے۔

ہ: اگر وہ کنارے یعنی لفظ کے آخر میں واقع ہو تو اکثر اسے ج سے بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً دَھنَج، رَازیَانَج، مُوسَرَج، ھَلِیلَج، بَلِیلَج، اَملَج، بسا اوقات اسے الف سے بھی بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً رشتہ فارسی لفظ ہے۔ تعریب کرتے وقت ہ کو ا سے بدل کر رِشتَا کر دیا گیا۔ بسا اوقات ہ کو ق سے بھی بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً بَرَق کہ وہ برہ سے معرب ہے اور فُستُق کہ وہ پستہ کا معرب ہے اور بُورَق کہ وہ بورہ کا معرب ہے۔ ہ کو شاذ و نادر ہی خ سے بدلا جاتا ہے۔ مثلاً بَرخ کہ وہ کا برہ کا معرب ہے۔

ۃ: کبھی تعریب کرتے وقت ۃ کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً خُودَة کہ وہ خود کا معرب ہے۔

گ: اس کی جگہ ج استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً اَنجُدَان، جُلنَار، جُلَنجَبِین ہنج بسا اوقات اس کی جگہ ک بھی لاتے ہیں۔ مثلاً فَنجَنکُشت، شاذ و نادر ہی اس کی جگہ ق استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً دَانِق کہ وہ دانگ سے معرب ہے۔

ش: اسے س سے بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً بَنَفسَج

د: کبھی کبھی اسے ج سے بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً تَدرُج کہ وہ تذرد کا معرب ہے۔

ذ: اگر اس کی جگہ ذ استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً نَوذَرِی کہ یہ نوذری کا معرب ہے۔

ز: اس کی جگہ ج لایا جاتا ہے۔ مثلاً جَدوار کہ وہ زدوار کا معرب ہے۔

ک: اس کی جگہ ج لایا جاتا ہے۔ مثلاً جُندُ بِیدَستَر یا جُندُبادَستَر کہ اس کی اصل کند بید ستر ہے۔

چ: اس کی جگہ ش آتا ہے۔ مثلاً خِیارُ شَنبَر کہ یہ اصل میں خیار چنبر تھا۔ بسا اوقات اس کی جگہ ص لایا جاتا ہے۔ مثلاً دَارُ صِینِی اور جَصّ کہ یہ دونوں دارچینی اور گچ سے معرب ہیں۔

ج: بسا اوقات ج کا اضافہ کر دیا جاتا ہے (باوجودیکہ وہ تعریب میں موثر ہے) مثلاً سردارو فارسی لفظ ہے جو عربی میں سَرُدارُج ہو گیا۔

ژ: یہ ج یا ز سے بدل جاتا ہے۔ مثلاً لاجورد یا لازورد اس کی اصل فارسی میں لاژورد ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات عیاں ہو گئی ہو گی کہ تعریب کے کچھ متعین اصول نہیں ہیں کہ ان کی پابندی کی جا سکے۔ بلکہ یہ تعریب کرنے والے یا عام اہل عرب کی رائے پر موقوف ہے۔ جب تم کسی معرب لفظ کے بارے میں یہ جاننا چاہو کہ اس کی تعریب عوام نے کی ہے یا خواص (یعنی علماء اور اہل فن) نے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں درج ذیل تین خاصیتوں میں سے کوئی ایک پائی جا رہی ہے تو سمجھ لو کہ اس کی تعریب عوام نے کی ہے:

۱۔ اس میں تغیر بار بار ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی پہلی حالت پر باقی نہ رہے اس طور پر کہ اگر سننے والے کو اس کی اصل کا پتہ نہ ہو تو اس کا ذہن اس کی طرف منتقل ہی نہ ہو سکے۔ مثلاً تجفاف کہ وہ تن پناہ (بدن کی حفاظت کرنے والا) سے معرب ہے۔

۲۔ تبدیلی بلاضرورت ہو۔ مثلاً لوگ کہتے ہیں کہ اُنْمُوْذَج، نمونہ سے معرّب ہے۔ ن کو بدل کر ذ لایا گیا۔ باوجود یہ کہ یہ تبدیلی غیر ضروری ہے کیونکہ اہل عرب ن کا استعمال کرتے ہیں۔

۳۔ اس میں ایسے حروف ہوں جو خواص سے متعلق نہ ہوں۔

بے خواص (یعنی علمار اور ماہرین فن) مثلاً اطبار تو وہ تبدیلی صرف انھیں حروف کی کرتے ہیں جو عجمی زبان کے ساتھ خاص ہیں۔ مثلاً فارسی زبان کے حروف گ چ، ژ، پ اور ہندی زبان کے حروف ت (ٹ) اور د (ڈ) بقیہ حروف کو وہ علی حالہ باقی رکھتے ہیں۔ مثلاً فَنْجَنْکُشْت اور لَاذُوَرْد لیکن وہ الف وغیرہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بسا اوقات الف کا اضافہ کر دینے کی پرواہ نہیں کرتے۔ لیکن ان کی تعریب کے بعد بھی لفظ فی الجملہ ایسی حالت پر باقی رہتا ہے کہ اگر اس کی اصل سے واقفیت رکھنے والا دیکھ لے تو بغیر غور و فکر کیے اسے سمجھ لے۔

اسی طرح یہ بات بھی مخفی نہ ہوگی کہ عربی الفاظ میں ہونے والے تغیر کی مذکورہ اقسام کے علاوہ کچھ دوسری قسمیں بھی ہیں مثلاً:

۱۔ مترجمین اور عرب بعض حروف کی تقدیم و تاخیر کر دیتے ہیں مثلاً نَارَجِیْل۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نالجیر کا معرّب ہے۔

۲۔ کبھی ایک حرف کا اضافہ کر دیتے ہیں مثلاً اِهْلِيْلَج

۳۔ کبھی دو حروف کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً شُوْربا کہ اس میں تعریب کے وقت انھوں نے ج اور ہ کا اضافہ کر کے شُوْرَبَاجَہ کہا۔

۴۔ بسا اوقات عجمی لفظ میں تین حروف کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً اُسْطُوَانَہ (جو ستون کا معرّب ہے) میں ذوالف اور ہ کا اضافہ کیا۔

۵۔ کبھی ایک حرف کو حذف کر دیتے ہیں۔ مثلاً مِیْبَہ کہ اس میں ایک حرف حذف کر دیا گیا۔ اس کی اصل می بہی تھی۔

۶۔ کبھی ایک لفظ میں سے دو حروف حذف کر دیتے ہیں۔ مثلاً بِیْمَارِسْتَان سے

ب، اور ی حذف کر کے اس کا معرب مَابِستان بنالیا

اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ حروف اصلی کون ہیں اور حروف زائد کون، تو لفظ کو تعریب سے پہلے کی حالت میں دیکھو۔ اس طرح زائد اور اصلی حروف الگ الگ ہو جائیں گے۔ کلمہ میں زائد حروف بھی ہوتے ہیں اور ایسے حروف بھی جو خلاف قیاس بدل دیئے گئے ہوں۔ اس صورت میں دونوں میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت تعریب سے قبل کی حالت میں لفظ کے حروف کی ترتیب دیکھی جائے گی۔ اگر ترتیب میں فرق آگیا ہے۔ مثلاً ایک حرف زائد ہو گیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ زائد ہے یا ایک حرف موجود نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسے محذوف کر دیا گیا ہے اور اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا حرف ہے تو وہ اس کا بدل ہو گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تعریب کا انحصار تین امور پر ہے۔ (۱) اصل لفظ میں زیادتی (۲) اصل لفظ میں کمی (۳) بعض حروف کی تبدیلی دوسرے حروف سے۔ چنانچہ جب تم یہ دیکھو کہ طَازِجَہ کو تازہ کا معرب، سَخْتِیْتْ کو سخت کا معرب اور سُرَادِقْ کو سرپردہ کا معرب کہا جا رہا ہے تو جان لو کہ پہلے لفظ میں ہ اور دوسرے میں ی اور ت زائد ہیں اور تیسرے میں پ اور اس کے بعد کا حرف ر محذوف ہیں۔ اس لیے کہ طَازِجَہ میں ط ت کا بدل ہے۔ اور الف اور ز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور ہ کو ج سے بدل دیا گیا ہے اس لیے آخر میں موجود ۃ بدیہی طور پر زائد ہے۔ اس لیے کہ ج ان حروف میں سے ہے جنھیں ہ کی جگہ لایا جاتا ہے۔ اسی طرح سَخْتِیْتْ میں ح اسی مقام پر ہے جس پر سخت میں خ ہے اور پہلی ت ترتیب کے مطابق اصلی ہے لیکن لفظ کے آخر میں پائے جانے والے حروف ی اور ت زائد ہیں۔ اس لیے کہ اصل لفظ تین حروف کا ہے۔ اسی طرح سُرَادِقْ میں ہم الف کے بعد پ اور ر نہیں پاتے اور د (جو اصل لفظ میں ہے) تعریب کے بعد بھی موجود ہے۔ اس وجہ سے ہم نے کہا کہ یہ دونوں (یعنی پ اور ر) محذوف ہو گئے ہیں۔

یہاں تک کی بحث معرب الفاظ کے سلسلہ میں تھی۔

دَخِیل الفاظ کی مثال: اَنُوشْ دَارُو اور نُوشْ دَارُو۔ یہ دونوں الفاظ فارسی

میں اس معجون کے لیے استعمال ہوتے ہیں جو معدہ، قلب اور دماغ کے لیے نفع بخش ہو۔

بَادَآوَرد : سفید رنگ کے کانٹے کو کہتے ہیں جو خسک کے مشابہ ہوتا ہے۔

بَادَنْجَان : عُبَیْدُ اللہ قُرطبی نے اپنی کتاب الفصول میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جالینوس نے اپنی بعض تصانیف میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔" پھر قرطبی نے تعجب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بادنجان جالینوس کے زمانے میں بھی پائی جاتی تھی اور وہ اس سے واقف تھا۔" بَاذَنْجَان اسی سے معرب ہے۔

بَرَنْجَاسِفُ : قَیْصُوم کو کہتے ہیں (اسے قَیْسُوم [س سے] بھی لکھتے ہیں)

جُفْتُ آفْرِیْد : یہ ان نباتات میں سے ہے جن کے سر پر دو کانٹے ہوتے ہیں اسی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

چَہار رَگ : (یعنی چار عروق) یہ دونوں ہونٹوں میں ہوتی ہیں۔ دو اوپری ہونٹ میں اور دو نچلے ہونٹ میں۔

دُرْدِی : وہ چیز جو کسی سیال میں نیچے بیٹھ جاتی ہے۔

دِیگ بَرْدِیگ : یعنی ہانڈی پر ہانڈی۔

باب ۴

مولّد الفاظ

مُوَلَّد سے مراد وہ الفاظ ہیں جنھیں متاخرین نے (جن کے الفاظ حجت نہیں ہیں) وضع کیا ہو۔ زبیدی کہتے ہیں کہ مولّد سے مراد نیا لفظ ہے۔ طبی الفاظ و اصطلاحات کی یہ صنف صرف عربی زبان میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اگرچہ اہل فارس اور دوسرے لوگوں کے یہاں بھی مولّد الفاظ ہوتے ہیں لیکن وہ طب میں متداول نہیں ہیں۔ اسی لیے یہاں ہم صرف انھیں مولّد الفاظ کا تذکرہ کریں گے جنھیں عربی زبان کے ائمہ نے بیان کیا ہے وہ درج ذیل ہیں :

کَابُوس: بحالت نیند گلا گھٹنے کی کیفیت کو کہتے ہیں۔ اس کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ بعض اسے مولّد کہتے ہیں جبکہ بعض اسے مولّد نہیں مانتے۔

طَرَش: خلل سماع کو کہتے ہیں۔ اسے بعض لوگ معرّب اور بعض مولّد قرار دیتے ہیں۔

عَفَص: مازو کو کہتے ہیں جس سے روشنائی بنائی جاتی ہے۔

عُجّۃ: انڈے سے بنائے گئے کھانے کو کہتے ہیں۔

بُحْرَان، بَاحُور اور الیَومُ البَاحُورِی: مُطَرِّزِی نے لکھا ہے کہ یہ سب حروف مولّد ہیں۔

مَاشُ: غلّہ کی ایک قسم ہے۔ اس کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اسے معرّب اور بعض مولّد کہتے ہیں۔

باب ۵

وہ معرّب اور دخیل الفاظ جنکے ہم معنی عربی الفاظ بھی ہیں

اشیاء دو قسم کی ہیں:

— ایک وہ جو صرف غیر عرب کے ساتھ خاص ہیں۔ ان کا نام وہ اپنی زبان کے کسی لفظ سے رکھتے ہیں۔

— دوسری وہ جو عرب اور غیر عرب دونوں کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ ان کا نام ہر ایک اپنے اعتبار سے رکھتا ہے۔ اس طرح ایک ہی چیز کے کئی نام ہو جاتے ہیں۔

پہلی قسم کے الفاظ کو اگر ہم بغیر کسی تبدیلی کے نقل کریں گے تو انھیں دخیل کہیں گے اور اگر کچھ تبدیلی کر کے نقل کریں گے تو وہ مُعَرَّب کہلائیں گے۔

دوسری قسم میں عجمی لفظ کی نقل کی ضرورت صرف اسی وقت پڑتی ہے. جب اس چیز کا عربی نام معلوم نہ ہو یا یاد نہ آرہا ہو۔ اس صورت میں اس عجمی لفظ کو نقل کر دیتے ہیں۔ یا تو اس میں کچھ تبدیلی کرکے یا جوں کا توں۔ پہلی صورت میں اسے "مُعَرَّب جس کا ہم معنی لفظ عربی میں بھی ہے" اور مؤخر الذکر صورت میں اسے "دخیل جس کا ہم معنی لفظ عربی میں بھی ہے" کہتے ہیں۔

مقدم الذکر (یعنی وہ معرب جس کا ہم معنی عربی میں بھی ہے) کی مثالیں :-

شَبْكَرَة : یہ شب کورہ سے معرب ہے۔ یہ ایک مرض ہے جس میں آدمی کو رات میں دکھائی نہیں دیتا. عربی زبان میں اس کے لیے عَشَاء کا لفظ آتا ہے۔

رِشْتَا : یہ رشتہ سے معرب ہے۔ اس کا ہم معنی عربی زبان میں اِطْرِيَه ہے۔

هَاوُوْن : یعنی ھاون۔ اسے عربی میں مِنْحَازٌ اور مِهْرَاس کہتے ہیں۔

طَاجِنُ : یعنی کڑھائی۔ عربی میں اس کے لیے مِقْلیٰ کا لفظ آتا ہے۔

سُكُرُّجَة : نقوہ کو کہتے ہیں۔

تُوْث : توت سے معرب ہے۔ عربی میں اس کے لیے فِرْصَاد کا لفظ آتا ہے۔

اُتْرُج : عربی میں اسے مُتْک کہتے ہیں۔

سُكَّر : اہل یمن کی زبان میں اسے مِبْوَت کہتے ہیں۔

سُذَاب : یہ سَدَاب کا معرب ہے۔ اسے اہل یمن کی زبان میں فَيْجَن کہتے ہیں۔

بَاذِنْجَان : (یعنی بیگن) بعض لوگوں کے نزدیک عربی زبان میں اسے اَنَب اور بعض کے نزدیک معذ کہتے ہیں۔

مؤخر الذکر (یعنی وہ دخیل جن کا ہم معنی لفظ عربی میں بھی ہے) کی مثالیں :

اُشْنَان : عربی میں اس کے لیے حُرُض آتا ہے۔

رَكْبُر : اہل عرب اسے لَصَف کہتے ہیں۔

يَاسَمِين : سَمْسَق اور سَجْلَاط کو کہتے ہیں۔

كُوبِيَا : دَجْر کو کہتے ہیں۔

کُزْبَرَۃ : اہل عرب اسے تِقرہ کہتے ہیں۔
رَصَاص : اہل عرب کے نزدیک یہ صُرفان کہلاتا ہے۔
خِیَار : عربی میں اسے قِثّاء کہتے ہیں۔

باب ۶

حقیقت و مجاز

علم البیان میں حقیقت اور مجاز کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ :

حَقِیْقَت) وہ لفظ ہے جسے اسی معنی میں استعمال کیا جائے جس کے لیے اسے اصطلاح میں (جس سے تخاطب ہوتا ہے) وضع کیا گیا ہو۔

اور مَجَاز وہ لفظ ہے جسے اس معنی میں نہ استعمال کیا جائے جس کے لیے اسے اصطلاح میں (جس سے تخاطب ہوتا ہے) وضع کیا گیا ہو۔

یہاں اس کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ علمائے بیان کی اس تعریف میں وضع کے سلسلہ میں دو معانی کا احتمال ہے۔ ایک وضعِ اوّلی اور دوسرے وضعِ ثانوی۔ البتہ جمہور کے نزدیک اس سے مراد وضع ثانوی ہے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک معنیٔ اول متروک یا غیر مراد ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایک کلمہ ایک معنی کے لیے وضع ہوتا ہے لیکن وہ معنی اسے مطلق استعمال کرتے وقت جمہور کے نزدیک مراد نہیں ہوتا۔ مثلاً فَالِج کہ وضع اول کے اعتبار سے اس کا اطلاق پورے بدن یا اس کے ایک جزو (خواہ وہ ایک عضو ہو) میں ہونے والے استرخار پر ہوتا ہے لیکن اس کے بعد اصطلاح یہ ہو گئی ہے کہ فالج وہ عام استرخار ہے جو سر سے لے کر پاؤں تک بدن کے ایک جانب ہو۔ اگر یہاں وضع اولی کا اعتبار ہوتا تو فالج کی حقیقت استرخار محض ہوتی خواہ کسی عضو میں ظاہر

ہو. لیکن ایسا نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ فالج کو معنی اولیٰ کے اعتبار سے حقیقت اور معنی ثانوی (یعنی بدن کے ایک جانب استرخاء) کے اعتبار سے مجاز قرار دیا جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ دو وجوہ سے باطل ہے: ایک یہ کہ حقیقت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ لفظ جو اس معنی میں استعمال ہو جس کے لیے اسے وضع کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے وہ لفظ اس تعریف سے نکل گیا جو اس معنی میں مستعمل نہیں ہے جس کے لیے وضع کیا گیا تھا۔ اور فالج کا لفظ اگرچہ استرخاء پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا تھا لیکن طب میں اب وہ اس معنی میں مستعمل نہیں ہے۔

دوسری وجہ سے یوں کہ تعریف میں کہا گیا ہے "کہ وہ لفظ اس معنی میں مستعمل ہو جس کے لیے اسے اصطلاح میں (جس سے تخاطب ہوتا ہو) وضع کیا گیا ہو"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لفظ اس معنی میں مستعمل نہ ہو جس کے لیے اسے پہلے وضع کیا گیا تھا۔ وہ حقیقت سے خارج ہے۔ کیوں کہ اصطلاحِ طب میں اس کے ذریعہ تخاطب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اگر ہم مطلق "فالج" بولیں تو اس سے پورے بدن کے ایک جانب کا استرخاء سمجھ میں آئے گا۔ مطلق بول کر اس سے مراد صرف استرخاء لیں (خواہ وہ کسی بھی عضو میں ہو) تو یہ معنی کبھی مخاطب کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔

مذکورہ تعریف میں "وَضْع" سے مراد محض کسی مخصوص معنی کے لیے لفظ کا اختراع نہیں ہے۔ اس لیے کہ خواہ کوئی بھی فن ہو، اس میں اس قسم کا لفظ فی البداہۃ مہمل ہوتا ہے، اور علوم وفنون میں تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ وَضْع کا مطلب یہ ہے کہ ماہرینِ لغت کچھ الفاظ کو لے کر انھیں کسی علم یا فن کے ساتھ خاص معانی مقصودہ میں استعمال کریں ۔۔۔ حقیقت اور مجاز دونوں کی دو قسمیں ہیں:

حقیقت: عرفی خاص / عرفی عام

مجاز: عرفی خاص / عرفی عام

عرفی خاص اس قسم کو کہتے ہیں جس کا ناقل متعین ہو۔ مثلاً طبیب اور فقیہ اور عرفی عام اسے کہتے ہیں جس کا ناقل متعین طور پر معلوم نہ ہو۔ حقیقت اور مجاز دونوں کی یہ قسم فنون میں مقصود بالذات نہیں ہوتی۔

حقیقت عُرفی خاص کی دو صورتیں ہیں:۔ کبھی ابتدا سے لے کر اب تک اس کے ایک ہی معنی رہتے ہیں۔ مثلاً صُداع کی تعریف تمام ہی اطبا نے یہ کی ہے کہ "وہ ایسا درد ہے جو اعضاء راس میں پیدا ہوتا ہے۔" اور کبھی زمانے کے ساتھ ساتھ اس کے معنی میں فرق ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً کبھی اطبا بالاتفاق کہتے ہیں کہ فلاں لفظ کا یہ معنی ہے، پھر ان کے بعد میں آنے والے اطبا اس معنی کو بدل کر اس کے دوسرے معنی بتلاتے ہیں۔ مثلاً: طَاعُون قدما نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ طَاعُون ہر اس ورم کو کہتے ہیں جو غُددِی اللّحم اعضا میں ظاہر ہو۔ خواہ ان میں حس پائی جاتی ہو (مثلاً وہ غددی گوشت جو خُصیۃُ الرّحِم، پستان اور زبان کی جڑ میں ہوتا ہے) یا نہ پائی جاتی ہو (مثلاً وہ غددی گوشت جو بغل اور کنج ران میں ہوتا ہے) بعد میں اس کے ساتھ ورم حار ہونے کی قید بڑھا دی گئی۔ اس کے بعد پھر اس میں قتّال اور مہلک ہونے کی شرط کا بھی اضافہ کر دیا گیا اور آخر میں طاعون ایسے ورم کو کہا جانے لگا جو مہلک ہو، جس کا مادہ سمّی جوہر میں بدل جائے اور جس سے عضو میں فساد لاحق ہو جائے اور ارد گرد کے حصہ کا رنگ بدل جائے۔

مجاز کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ سبب بول کر مسبّب مراد لیا جائے۔ مثلاً اطبا سوداوی مرض کو مَالیخُولیا کہتے ہیں۔ یونانی زبان میں مالیخولیا کے معنی خلط اسود کے ہیں۔ چونکہ یہ خلط اس مرض کا سبب بنتی ہے اسی لیے اس مرض کو بھی یہی نام دے دیا گیا۔ اسی طرح اطبا عضلہ کے اجزا میں تباعد و تفرق کو فَسْخ کہتے ہیں اس لیے کہ فسخ اس کا سبب ہوتا ہے۔

۲۔ کسی چیز کے مسبّب کو نام قرار دے دیا جائے۔ مثلاً اطبا بعض اعضا کا نام اعضاءِ تناسل یا اعضاء نفض کے نام پر رکھ دیتے ہیں اس لیے کہ وہ ان کا مسبّب بنتے ہیں۔

۳۔ کسی شئ کا نام مشابہت کی بنا پر دوسری شئ سے رکھ دیا جائے۔ مثلاً داءُ الاسد، دَاءُ الفِیل اور دَاءُ الثَّعلَب وغیرہ (اگران میں مشابہت پائی جارہی ہے)۔

۴۔ کل کو جزء کے نام سے موسوم کر دیا جائے۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ وہ جزء دوسرے اجزاء کے مقابلے میں کل کے معنی مقصود کے سلسلہ میں خصوصیت رکھتا ہو۔ مثلاً دَوَاءُ الکُرکُم۔ یہ ایک مرکب کا نام ہے۔ اس کے اجزاء میں ایک کُرکُم (زعفران) بھی ہے۔ یہ مرکب کبد وطحال کے اَوجَاعِ بَارِدَہ میں فائدہ رکھتا ہے۔ سدوں کو کھولتا ہے اور ادرار بول وطمث کرتا ہے۔ اس کا نام اس کے جزء کرکم پر رکھ دیا گیا۔ کیوں کہ دوسرے اجزاء کے مقابلے میں کرکم میں مذکورہ بالا خصوصیات زیادہ پائی جاتی ہیں۔

۵۔ جزء کو کل کا نام دے دیا جائے۔ مثلاً زَوج بسا اوقات اس کو مطلق استعمال کرتے ہیں اور اس سے صرف ایک فرد کو (جو اس کا جزء ہے) مراد لیتے ہیں یہ بات جِیلَانی نے اور عِمَادُ الدِّین مَحمُود شِیرَازِی نے تشریح قانون کی شرح میں لکھی ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ "یَجعَلُونَ أصابعَهُم فِی آذَانِهِم" (البقرہ: ۱۹) میں اَصَابِعَ (انگلیوں) سے مراد انامل (پورے) ہیں اس لیے کہ کانوں میں پوری انگلیوں کا جانا محال ہے۔

۶۔ خاص کو عام کے لفظ سے موسوم کیا جائے۔ مثلاً مِرَّہ صفراء" اگرچہ یہ لفظ صَفرَاء کے لیے وضع کیا گیا تھا۔ لیکن جس صفراء میں مائیت کی آمیزش ہوجائے چونکہ اس کا کوئی مخصوص نام نہیں تھا۔ اس لیے اطباء نے صفراء کی اس مخصوص قسم کو عام لفظ سے تعبیر کر دیا۔ اس کی نظیریں اور بھی بہت سی ہیں۔

۷۔ قوۃ پر فعل کا اطلاق کر دیا جائے۔ مثلاً ہم گوشت اور گیہوں کو غذا کہتے ہیں حالانکہ وہ بالفعل نہیں بلکہ بالقوہ غذا ہیں۔ غذا بالفعل اسی وقت ہوگی جب وہ عضو کا جزء بن جائے اور اسے عضو سے مکمل مشابہت حاصل ہو جائے۔ اسی طرح ہم دواء کو مُخَشِّن، ھَاضِم اور مُحَکِّک کہتے ہیں۔ حالانکہ تخشین، ھضم

اور تحکیک کا فعل اس وقت انجام پاتا ہے جب حرارت بدنیہ اس پر اثر انداز ہو اور اس کے اثرات کو قوۃ سے فعل میں منتقل کر دے، استعمال سے قبل یہ تمام افعال بالقوہ رہتے ہیں۔

۸۔ کسی شئی کو پیش آنے والے عارضہ سے موسوم کیا جائے۔ مثلاً رِیَہ میں قرحہ بن جائے تو اسے سِل کا نام دیتے ہیں۔ لغت میں سل ھُزال (دُبلے پن) کو کہتے ہیں۔ چونکہ قرحہ کے نتیجے میں دبلا پن لازمی طور پر ہوتا ہے۔ اس لیے اسے سل کا نام دے دیا گیا۔ اسی طرح جس مرض میں انسان مبہوت رہتا ہے۔ سر میں بھاری پن محسوس کرتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اسے سَدَر کہتے ہیں اس لیے کہ لغت میں سدر نگاہوں کے چندھیا جانے کو کہتے ہیں اور یہ کیفیت اس مرض میں ضرور ہوتی ہے۔

۹۔ کسی شئی کا نام اس کے انجام کے اعتبار سے رکھ دیا جائے۔ مثلاً صُداع کی بعض اقسام کا نام خَبطَۃ (زکام) رکھا گیا ہے۔ چونکہ صداع کی اس قسم میں اکثر زکام ہو جایا کرتا ہے۔ اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ البتہ اس قسم میں اس کا یہ انجام ہونا ضروری نہیں۔ کیوں کہ خَبطَۃ، صُداع میں مبتلا ہونے والے ہر شخص کو ہونا لازمی نہیں ہے۔

۱۰۔ کسی شئی کا نام باعتبار محل رکھ دیا جائے۔ مثلاً ذَاتُ الجَنبِ، ذَاتُ الرِئَۃ ذَاتُ الصَّدر یہ نام پہلو، صدر اور رئۃ میں ہونے والے اورام کے ہیں۔ چونکہ ان اعضا میں یہ امراض پیدا ہوتے ہیں اس لیے ان کا نام انھیں کے اعتبار سے رکھ دیا گیا۔

۱۱۔ محل کا نام شئی کے نام پر رکھ دیا جائے۔ مثلاً قَصبَۃُ الاَنف (ناک کی نالی) کو سَائِلَۃ کہتے ہیں۔ سائلہ حقیقت میں وہ رطوبت مخاطی ہے جو ناک سے بہتی ہے۔ اسی تعلق سے قصبۃ الانف کو بھی سائلۃ کہہ دیا گیا۔

۱۲۔ کسی شئی کا نام اس کے آلہ کے نام پر رکھ دیا جائے۔ اس وقت طب میں اس کی کوئی مثال میرے ذہن میں نہیں ہے۔ البتہ اہل بیان اس کی مثال اس ارشاد باری

سے دیتے ہیں۔ "وَاجْعَلْ لِّی لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْآخِرِیْنَ" (الشعراء:۸۴) اس آیت میں لسان ذکر کے معنی میں ہے۔

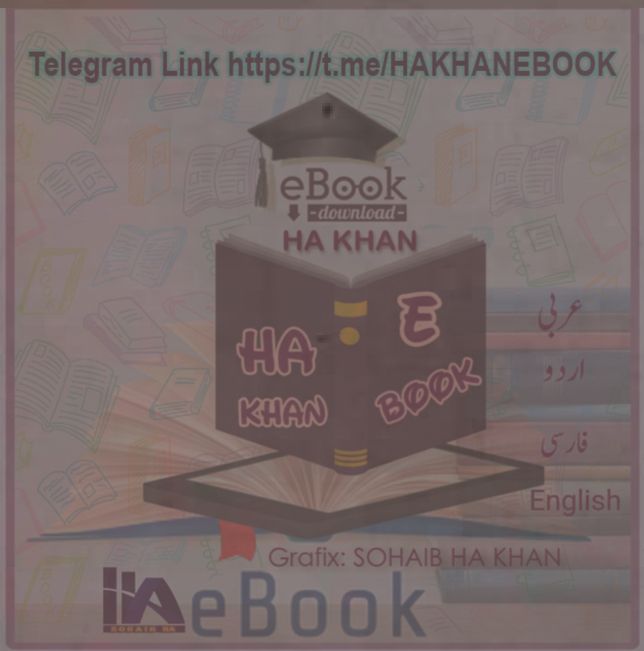
۱۳۔ کسی شئی کا نام اس کی سابقہ حالت پر رکھ دیا جائے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ چاول نے بدن میں یہ تاثیر دکھائی اور گوشت کی وجہ سے تغذیہ ہوا۔ گوشت اور چاول کا استحالہ ہونے اور ان کے دموی صورت اختیار کر لینے کے بعد بھی انھیں گوشت اور چاول کہنا علی سبیل المجاز ہے۔ یعنی وہ شئی جو پہلے چاول اور گوشت کی شکل میں تھی۔ اس نے بدن میں یہ تاثیر کی۔

باب ۷

نسب اربعہ (چار نسبتیں)

منطق میں بتایا جاتا ہے کہ کلیات کے درمیان چار نسبتیں ہوتی ہیں۔ اگر ایک کلیہ دوسرے کلیہ کے ساتھ آئے تو یا تو دونوں سے ایک شئی پر دلالت ہوگی یا نہیں ہوگی۔ اگر ایک شئی پر دلالت نہ ہو تو دونوں مُتَبَایِن ہوں گے اور اگر دلالت ہو تو یا تو ان میں سے ایک پر اس شئی پر دلالت کرے گا جس پر دوسرا دلالت کر رہا ہے یا اس پر دلالت نہیں کر رہا ہوگا۔ مقدم الذکر صورت میں دونوں مُتَسَاوِی ہوں گے۔ جبکہ موخر الذکر کی دو صورتیں ہوں گی: یا ایک کی دلالت ان تمام چیزوں پر ہوگی جن پر دوسرا دلالت کر رہا ہو لیکن دوسرے کی دلالت ان تمام چیزوں پر نہیں ہوگی جس پر پہلا دلالت کر رہا ہے اس صورت میں دونوں میں عُمُوم خُصُوص مُطْلَق کی نسبت ہوگی۔ یا ہر ایک کی دلالت ان تمام چیزوں پر نہیں ہوگی جن پر دوسرا دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں دونوں کے درمیان عُمُوم خُصُوص مِن وَجْہٍ کی نسبت ہوگی۔

یہ نسبتیں طب کے اصطلاحی الفاظ میں بھی پائی جاتی ہیں. مثلاً عضو اور رُوح میں متبائن کی نسبت پائی جاتی ہے اور جنسِ عضو جنسِ روح کے مباین ہے. کیوں کہ کسی کی دلالت دوسرے پر نہیں ہوتی ہے. اسی طرح دُولابیہ اور بَرْ گارِیہ میں تساوی کی نسبت پائی جاتی ہے. اس لیے کہ دونوں الفاظ مثانہ کے اس مرض پر دلالت کرتے ہیں جس میں مثانہ سے پانی جوں کا توں بغیر کسی تغیر کے نکل آتا ہے. اسی طرح صُدَاع اور اَلَمْ میں عموم خصوص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے. اس لیے کہ الم صداع سے علی الاطلاق عام ہے. الم کا اطلاق صداع پر بھی ہوتا ہے اور دوسری قسم کے درد پر بھی. جبکہ صداع ہر قسم کے درد کو نہیں کہتے. اسی طرح سِمَن (موٹاپا) اور نُمُو میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوتی ہے. اس لیے کہ کبھی کبھی نمو کی عمر میں دونوں پائے جاتے ہیں اور بعض حالات میں دونوں یکجا نہیں ہوتے. مثلاً کہولت کی عمر میں آدمی کو موٹاپا ہو سکتا ہے لیکن نمو نہیں ہوتا اور بچپن مین نمو ہوتا ہے لیکن موٹاپا ضروری نہیں اسی طرح نَبْض عظیم اور قوی میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے جب آلہ صلب ہو تو نبض قوی ہوتی ہے لیکن اس میں عِظَم نہیں ہوتا. اور جب آلہ میں مطاوعت ہو اور نسیم کو جذب کرنے کی شدید ضرورت بھی ہو تو نبض عظیم ہو جاتی ہے لیکن اس کی قوت میں کمی آجاتی ہے۔



باب ۸

اشتقاق

اشتقاق کی کئی قسمیں ہیں :

۱- صغیر (یا اصغر) یعنی فرع کا ایسی اصل سے متفرع ہونا. جس کی تصریحات

میں اس اصل کے حروف گردش کرتے ہوں ان کی ترتیب قائم رہتی ہو اور معنی اصلی کے مطابق ہوں۔ یہ قسم زیادہ مشہور ہے۔ مثلاً یَفلِجُ اور فَالِج، فَلَج سے مشتق ہیں۔

۲۔ کبیر (یا صغیر) اس میں اصل کے حروف کی ترتیب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ صرف معنی کی مناسبت کافی ہوتی ہے۔ خواہ عموم وخصوص کی نسبت ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ جَبذ، جَذب سے مشتق ہے۔

۳۔ اکبر (یا کبیر) اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اشتقاق کی اس قسم میں دو کلموں کے درمیان محض مخرج کی مناسبت ہوتی ہے۔ مثلاً نَعِقَ نَهِقَ سے مشتق ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں دو کلموں کے اکثر حروف ایک جیسے ہوتے ہیں۔ مثلاً قصم اور فصم۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں دو کلموں کے درمیان لفظ اور معنی کی مناسبت کافی ہے۔

یہاں ہم جس اشتقاق سے بحث کر رہے ہیں وہ مذکورہ تینوں قسموں سے الگ ہے۔ اس لیے کہ پہلی قسم کے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ کیوں کہ وہ لوگوں میں معروف و مشہور ہے اور دوسری اور تیسری قسم کی مثالیں میرے خیال میں طب میں نہیں ملتیں۔ یہاں ہم جس چیز سے بحث کر رہے ہیں اس پر مشتق کا اطلاق مجاز مرسل کے طور پر ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس کے لیے فی الجملہ معنی کی مطابقت کے ساتھ حروف اصلیہ کا پایا جانا کافی ہے۔ اس کے لیے مشتق اور مشتق منہ کا ابواب ثابتہ میں سے ہونا ضروری نہیں جیسا کہ مذکورہ تینوں قسموں میں ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اطباء کہتے ہیں مُعتَدِل عَدل فِی القِسمَۃ سے مشتق ہے۔

اگر کوئی کہے کہ معتدل کا عدل فی القسمۃ سے اشتقاق علم الاشتقاق کے طریقے پر ہے۔ کیوں کہ وہ اشتقاق کی مذکورہ تینوں قسموں میں سے تیسری قسم (اکبر یا کبیر) میں داخل ہے اور اس پر یہ استدلال کرے کہ عرب اہل زبان کی عبارتوں میں ثلاثی کا اشتقاق منشعبہ سے عام ہے۔ جب دونوں کے درمیان معنی میں مناسبت ہو یا مزید فیہ اس میں زیادہ مشہور ہو۔ اسی طرح دو منشعبہ الفاظ میں ایک کا دوسرے

سے اشتقاق معروف ہے۔ البتہ ثلاثی سے منشعبہ کا اشتقاق زیادہ مشہور ہے۔ مثلاً سِجِل کہ یہ مُسَاجَلَہ (بمعنی مکاتبہ) سے مشتق ہے اور رَعْد اِرْتِعَاد سے، دَجْہ مُوَاجَھَہ سے اور یَمّ تَیَمُّم سے اور دُبُر تَدَبُّر سے مشتق ہے، تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ غلط فہمی اشتقاق کے مسئلہ میں عدم تدبر کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ اس کی متعدد وجہیں ہیں:

۱۔ یہ چیز سماعی ہے نہ کہ قیاسی۔ اس لیے یہ بات کہ معتدل کے جو معنی قائل کے نزدیک ہیں اس میں وہ اشتقاق کبیر کے طریقہ پر عَدَل فِی القِسْمَۃ سے مشتق ہے۔ اس وقت تک قابل تسلیم نہیں ہے۔ جب تک کہ یہ بات نحو یا لغت کا کوئی امام نہ کہے۔

۲۔ ثلاثی کا اشتقاق منشعبہ سے اور دو منشعبہ میں سے ایک کا اشتقاق دوسرے سے مسلم ہے۔ لیکن معتدل نہ تو ثلاثی مجرد ہے اور نہ عَدَل فِی القِسْمَۃ منشعبہ ہے کہ اس سے اشتقاق کی بات صحیح ہو۔

۳۔ مشتق اور مشتق منہ کا ان ابواب میں سے ہونا ضروری ہے جو ماہرین لغت کی زبانوں پر جاری رہتے ہیں لیکن عدل جو اپنے ظرف (فِی القِسْمَۃ) کے ساتھ مشتق منہ ہے وہ مقررہ ابواب میں سے کس باب سے ہے؟ اگر عدل کا اعتبار اس کے ظرف کے ساتھ نہ ہو تو صرف عدل سے معتدل کے اشتقاق کے کوئی معنی نہیں ہوں گے۔ معتدل کا عدل فی القسمۃ سے اشتقاق علم الاشتقاق کے طریقہ پر نہیں ہے کیوں کہ متاخرین اطبار کہتے ہیں کہ معتدل کے عدل فی القسمۃ کے اشتقاق کا قول مجاز پر محمول ہے۔ جس طرح کہ اس قول کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے کہ قِیفَال کِیفَالس سے مشتق ہے اس کے معنی "عِرْقُ الرَّاْس" کے ہیں۔ کیوں کہ کیفالس کا معنی سر ہے۔ اس سے قیفال مشتق کر لیا گیا۔ اور سر کی ایک عرق کا نام رکھ دیا گیا۔ اس لیے کہ اس کے فصد سے سر کا تنقیہ ہوتا ہے۔

اس اشتقاق میں سے اَکْحَل ہے جو کحلاؤس سے مشتق ہے۔ کحلاؤس اہل یونان کے نزدیک ہر اس شئی کو کہتے ہیں جو مختلف اشیاء سے مرکب ہو۔ اس سے مشتق کر کے اکحل بنا لیا گیا اور عرق کا نام رکھ دیا گیا۔ کیوں کہ وہ قِیفَال اور

بَاسَلِیقی سے مرکب ہوتی ہے۔ اسی طرح تِریَاق بعض لوگوں کے نزدیک تِریُوقی سے مشتق ہے۔ تریوق اس حیوان کو کہتے ہیں جو کاٹ لیتا ہے۔ چونکہ یہ دوا حیوانات کے کاٹے میں فائدہ کرتی ہے اس لیے اس کا نام تریاق رکھ دیا گیا۔ اور زَیتُ الاَنفَاق میں اَنفَاق مارویہ اور البوریحان کے نزدیک اَنفَاقِین سے مشتق ہے۔ اہل روم کے نزدیک انفاقین کا اطلاق ہر نرم و تازہ پھل پر ہوتا ہے۔

باب ۹

نحت

نَحت سے مراد یہ ہے کہ دُو الفاظ کو لے کر ان میں سے بعض حروف کو حذف کر کے ایک لفظ بنا لیا جائے۔ اس طور پر مِیفَختَجُ اور اس جیسے دوسرے الفاظ کو منحوت نہیں کہیں گے باوجود یہ کہ وہ دو کلموں سے مل کر بنا ہے۔ اس لیے کہ اس میں کوئی حرف حذف نہیں ہوا ہے۔ اسی طرح اگر ان میں سے بعض حروف کو بدل کر دوسرے حروف لے آئے جائیں تو بھی اس کا شمار اس باب کے تحت نہیں ہوگا۔

کلمہ منحوتہ کی ایک مثال مِیبَہُ ہے کہ یہ اصل میں "می بھی" تھا۔ اس میں ہ کے بعد کی ی حذف ہو گئی ہے۔ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی شربت سفرجل کے ہیں۔

نحت کے بعد دونوں الفاظ ایک لفظ بن جاتے ہیں۔ اس لیے اس کے دونوں اجزاء کو کتابت میں الگ الگ لکھنا صحیح نہیں۔ بلکہ ان کا مخلوط اور مرکب لکھنا ضروری ہے۔ مثلاً مِیبَہ اگر یہ منحوت نہ ہوتا تو قواعدِ کتابت کی رو سے دونوں کو ملا کر لکھنا صحیح نہ ہوتا۔ اس میں دوسرے جزء میں ب ساکن نہیں ہے کہ وہ جزء اول

کے آخری حرف کی حرکت کا سہارا لے اور اس کی وجہ سے کتابت میں دونوں کو ملا کر لکھنا ضروری ہو۔ جبکہ فَنجَنگُشت اور جُلَنجَبِین میں اس کا احتمال موجود ہے کیوں کہ ان دونوں میں ن ساکن ہے اور اسے ماقبل حرف (پہلے میں ج اور دوسرے میں ل) کی حرکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ دونوں الفاظ ملا کر جب ایک لفظ بنا دیا جائے تو اس کے دونوں اجزاء کو ملا کر لکھنا ضروری ہوتا ہے خواہ دوسرے جزء کا پہلا حرف متحرک ہو یا ساکن۔ الّا یہ کہ پہلے جزء کا آخری حرف ان حروف میں سے ہو جنھیں مابعد سے ملا کر لکھنا ممکن نہ ہو۔ مثلاً الف، د، ذ، ر، ز وغیرہ۔ مثلاً سَرْدَابْ (بمعنی تہہ خانہ) (اگر اسے معرب مان لیا جائے تو یہ منحوت کلمہ ہوگا) کہ اسے ملا کر لکھنا ممکن نہیں۔

فَنجَنگُشت، جُلَنجَبِین، خُشکَنجَبِین اور جَمسَفَرم بھی منحوت کلمے ہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک دو الفاظ سے مل کر بنا ہے اور سب میں سے الف حذف ہے۔

اس باب میں قُنَبِط داخل نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کی اصل ہے قُنْ عُرْسُہٗ بِبِط (یہ ایک نسل کا نام ہے) اس لیے کہ نحت میں حذف دو الفاظ کے بعض حروف کا ہوتا ہے نہ کہ دونوں الفاظ کے درمیان واقع کسی لفظ کا۔ حاصل یہ کہ نحت کی اصل دو الفاظ ہیں ان سے زیادہ نہیں۔

باب ۱۰

تخفیف

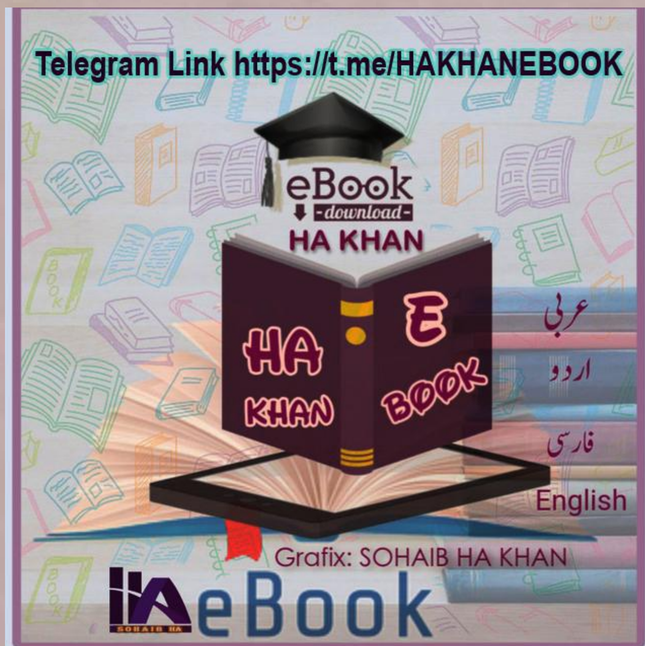
تخفیف کا مطلب یہ ہے کہ کسی لفظ سے ایک یا اس سے زائد حروف حذف

کر دیئے جائیں۔ عجمی الفاظ کو عربی میں منتقل کرتے وقت ایسا اکثر ہوتا ہے۔ خاص طور پر الف۔ د اور ی کا حذف۔ مثلاً الف کی مثال جَمسُغَرَم کہ اس کی اصل جَمْ اِسْبَرغَمْ ہے۔ "د" کی مثال شَبکَرَہ کہ اس کی اصل فارسی میں شب کورہ ہے۔ اس مرض میں انسان کو رات میں دکھائی نہیں دیتا۔ شبکرہ میں تین صفات جمع ہو گئی ہیں۔ نحت[1]، تخفیف[2] اور تعریب[3]۔ یہی تینوں خصوصیات اوپر مذکور مثالوں (جُلَنجَبِین، فَنجَنکُشت اور خُشکَنجَبِین) میں بھی موجود ہیں۔ ی کی کوئی مثال اس وقت ذہن میں نہیں ہے۔

کلمہ کی ابتدا میں واقع الف اکثر حذف ہو جاتا ہے۔ مثلاً اَشقَاقُل، اَفرِبیُون اور اَفلُونِیَا کہ ان سے الف حذف کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح تخفیف میں لبسا اوقات دو حروف بھی حذف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً افرغما کہ اس کی اصل اہل یونان کے نزدیک دِیافَرَغمَا ہے۔ اس میں سے د اور ب حذف ہو گئے ہیں۔ یہ اس حجاب کا نام ہے جو آلات غذا اور آلات تنفس کے درمیان میں واقع ہوتا ہے۔

اکثر تخفیف کی ضرورت اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ اہل عرب بعض حروف کی ادائیگی میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور ان کا اظہار ٹھیک سے نہیں کر پاتے اس صورت میں دو کاموں میں سے کوئی ایک کرتے ہیں تخفیف یا تبدیلی۔ ایسا عجمی الفاظ کو عربی میں منتقل کرتے وقت بہت ہوتا ہے۔ کبھی کسی لفظ سے کسی حرف کا حذف بغیر کسی واضح سبب کے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ عوام کی زبانوں پر الفاظ جیسے تیسے چڑھ جاتے ہیں۔



باب ۱۱

مفرد اور مرکّب الفاظ

طب میں اصطلاحی الفاظ یا تو مفرد ہوتے ہیں یا مرکّب۔

★ مفرد الفاظ یا تو واحد ہوں گے مثلاً صُدَاع، زُکام، ذَرَب، حُمّی وغیرہ یا تثنیہ ہوں گے۔ جیسے: اُنْثَیَیْن یا جمع ہوں گے جیسے مَذَاکِیر، دُوَالِی وغیرہ۔

★ اور مفرد لفظ یا تو ثلاثی مجرد سے ہوگا۔ مثلاً ثِقَل (باب کرم سے) صُدَاع (باب فتح سے) نُضج (باب سمع سے) مِزَاج (باب ضرب سے) هَضم (باب نصر سے) وغیرہ

یا ثلاثی مزید سے ہوگا۔ مثلاً تَدْبِیر (باب تفعیل سے) یعنی اسباب ستہ ضروریہ میں تصرف اور اِعْیَاء (باب افعال سے) یعنی بدن کی ایسی حالت جو مرض سے مشابہ ہو۔ اکثر ایسا ریاضت کے بعد ہوتا ہے۔ کبھی کبھی خود بخود بھی ہو جاتا ہے اور اِسْتِفْرَاغ (باب استفعال سے) یعنی بدن سے مواد کا اخراج اور تَحَلُّل (باب تفعل سے) یعنی غیر محسوس استفراغ اور اِنْبِسَاط (باب انفعال سے) یعنی نبض کی حرکت مرکز سے محیط کی جانب ـــ ان کے علاوہ بھی اور بہت سے الفاظ مختلف اوزان پر ملتے ہیں۔

★ مرکب الفاظ یا تو دو الفاظ سے مرکب ہوں گے یا تین سے یا اس سے زیادہ سے۔ جو الفاظ دو کلموں سے مرکب ہوں گے۔ ان میں یا تو دونوں الفاظ ایک ہی زبان کے ہوں گے یا دو مختلف زبانوں سے۔ اور اگر ایک ہی زبان کے ہوں گے تو یا تو وہ دونوں عربی کے ہوں گے (اور ایسا اکثر ہوتا ہے) یا فارسی کے یا ہندی

کے یا یونانی کے یا کسی دوسری زبان کے مثلاً سریانی۔

- عربی زبان سے دو الفاظ مرکب ہونے کی مثال: ذَاتُ الجَنب، عِرقُ النَّسا حُمّی صَفرَاوِی، اِسہال کَبِدِی۔
- فارسی زبان سے مرکب ہونے کی مثال: چَہاررگ اور جُفتِ آفرِید
- ہندی زبان سے مرکب ہونے کی مثال: اِطرِیفَل کہ یہ ترِی اور پھَل سے مرکب ہے۔ تری کے معنی تین کے ہیں۔
- یونانی زبان سے مرکب ہونے کی مثال: اَدرُدُ مَالِی اس کا مطلب ہے مَاءُ المَطَرِ وَالعَسَل (بارش کا پانی اور شہد) اس لیے کہ اَدرُدُ ان کے یہاں بارش کے پانی کو اور مَالِی شہد کو کہتے ہیں۔ اَدرُدُمَالِی الیسانشہ ایسا مشروب ہے جو شہد اور بارش کے پانی کو ملا کر بنایا جاتا ہے اور اَسَاسُطُوخُوخِیَا یہ زراوند طویل کو کہتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں نُفَسَاء کے لیے بہتر۔
- سریانی سے مرکب ہونے کی مثال آسارُون اس کے معنی ہیں "منفعت میں آس کے مشابہ" آسا ان کی زبان میں "آس" کو کہتے ہیں اور رُون فائدہ اور خاصیت کو کہتے ہیں۔

دو مختلف زبانوں سے مرکب ہونے کی مثال سَرسَام ہے (جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے) سر اور سام سے مرکب ہے۔ سر فارسی اور سام عربی لفظ ہے۔ جس کے معنی مرض یا موت کے آتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دو مختلف زبانوں سے مرکب لفظ نہیں ہے بلکہ دونوں الفاظ فارسی کے ہیں۔ سام کے معنی فارسی میں ورم کے آتے ہیں۔ (جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں) اور مُیُوس اَدُطا کو بعض لوگوں نے یونانی اور فارسی سے مرکب قرار دیا ہے (اس کی تفصیل آگے آئے گی)۔
اس قسم کی اور بھی متعدد مثالیں ہیں جنھیں ہم نے آگے مستقل باب میں بیان کیا ہے۔
تین یا اس سے زائد کلمات سے مرکب ہونے کی مثال: ذَہَابُ مَاءِ الاَسنَان (دانتوں کی چمک ختم ہو جانا) اور حِسٌّ یَظهَرُ فِی الدِّمَاغ" (دماغ میں ہونے والی حس)

باب ۱۲

امثال

دیوان العرب میں ہے کہ مَثَل اس جملہ کو کہتے ہیں جس کے الفاظ اور معانی عوام و خواص کے درمیان اس قدر زبان زد ہوں کہ وہ ان کے درمیان عام اور معروف ہوں۔ اس میں بلیغ حکمت پائی جاتی ہے اس لیے کہ لوگ کسی ناقص، مہمل اور غیر نفیس مثل پر متفق نہیں ہوتے۔

ہر مثل کا ایک مَخرَج اور ایک مَضرَب ہوتا ہے۔ مخرج تو بولنے والے کو یاد نہیں رہتا۔ لیکن اسے مضرب کا علم ہوتا ہے۔

طبی امثال میں سے ایک یہ ہے: "العَادَۃُ طَبِیعَۃٌ ثَانِیَۃٌ" بعض لوگوں نے کہا ہے: "العَادَۃُ طَبِیعَۃٌ خَامِسَۃٌ" طبیعت پہلی مثل میں حرکت اور سکون کے مبدا، اول کے معنی میں اور دوسری مثل میں عنصر اور کیفیت کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ چاروں طبائع کو بسا اوقات مطلق بولا جاتا ہے اور اس سے کیفیات اربعہ مراد ہوتی ہیں۔ اور طبیعت جب معنی اول کے اعتبار سے عدد میں ایک ہوتی ہے تو عادت کو طبیعتِ ثانیہ کہتے ہیں اور جب وہ دوسرے معنی کے اعتبار سے چار میں منحصر ہوتی ہے اس وقت عادت کو طبیعت خامسہ کہتے ہیں۔

طبیعت کو عادت پر محمول کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ انسان جب کسی چیز کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کی عادت اس فعل کی بسہولت انجام دہی اور موافقت میں طبیعت کے مثل ہو جاتی ہے۔ اگر عادت اپنے واجبات انجام دیتی رہے تو طبیعت حرکات و سکنات میں اس کی مدد کرتی ہے۔ جس طرح چاروں طبائع (خواہ وہ کیفیات ہوں

یا عناصر) سے کوئی انسان عاری نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اس کے لیے عادت سے بھی مفر نہیں ہے اور جس طرح عناصر اور کیفیات میں بے اعتدالی سے ضرر لاحق ہوتا ہے۔ اسی طرح عادت بگڑ جانے سے بھی افعال میں ضرر لاحق ہوتا ہے۔ اور جس طرح طبائع کے انسان میں متعین کیفیات اور کمیات کے مطابق قائم رہنے سے انسانی وجود قائم رہتا ہے۔ اسی طرح عادت کے قائم رہنے سے انسان صحیح و سلامت رہتا ہے۔

شیخ کا قول ہے: "اِذَا خَارَتِ الْقُوَّۃُ لَمْ یَنْفَعِ الْعِلَاجُ کَیْفَ عَمَلَ" (جب قوت کمزور ہو جائے تو کوئی علاج فائدہ نہیں کرتا) اسے بھی اطباء نے مثل بنالیا۔ چنانچہ جب وہ مرض کو زائل کرنے اور قوت کو دوبارہ واپس لانے پر قادر نہیں ہوتے تو اس قول کو دہراتے ہیں لیکن یہ قول اپنے اطلاق پر نہیں ہے کیوں کہ ہر قسم کے ضعف میں علاج سے فائدہ ہونے کا انکار صحیح نہیں۔ بلکہ اس سے مراد انتہائی ضعف ہے۔ جب قوت میں از حد ضعف لاحق ہو جائے تو کسی بھی علاج سے فائدہ نہیں ہوتا۔

باب ۱۳

وہ الفاظ جن پر اب، ام یا بنات داخل ہوتے ہیں

اس باب میں بیان ہونے والے الفاظ کے لیے ضروری ہے کہ ان میں کوئی ایسی صفت پائی جائے جس کی وجہ سے ان کی کنیت اَبْ یا اُمّ یا بَنَات یا اس جیسے الفاظ (مثلاً بَنِیْن) سے لائی جائے۔ اب اور ام کی کنیت کے ذریعے کسی عضو یا مرض یا دوا، کو اس وقت موسوم کیا جاتا ہے جب ان میں اب یا ام سے کوئی مشابہت پائی جائے۔ چونکہ یہ الفاظ اعتباری ہوتے ہیں اس لیے ان کے سلسلہ میں ان الفاظ میں غور کرنا ضروری ہے جن کی طرف وہ مضاف ہوں۔ اسی لیے اکثر

اب اور ام کی اضافت ایسی شئی کی طرف کی جاتی ہے جس میں بنت یا ابن سے مشابہت موجود ہو۔ اسی طرح بنات اور بنین کی اضافت ایسی شئی کی طرف کی جاتی ہے جس میں اب یا ام سے مشابہت موجود ہو۔ مثلاً:

اُمُّ الدِّمَاغ: اُس غشار کو کہتے ہیں جو دماغ کو ڈھکے رہتی ہے۔

بَنَاتُ اللَّیل: ان پھنسیوں کو کہتے ہیں جو رات میں ظاہر ہوتی ہیں اور دن میں غائب ہو جاتی ہیں۔ رات میں ظاہر ہونے کی وجہ سے ہی انھیں بنات اللیل کا نام دیا گیا۔

بَنَاتُ الاُذُنِ: ان اورام کو کہتے ہیں جو کان کے پیچھے ظاہر ہوتے ہیں۔

بَنَاتُ القَلْب: ان عروق کو کہتے ہیں جو جرم قلب میں ہوتی ہیں۔

کبھی ام کے ذریعہ کنیت میں وجہ تشبیہ خروج (نکلنا) ہوتی ہے۔ مثلاً جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے اسی طرح بعض عروق میں تفرق ہونے کی وجہ سے خون نکلتا ہے۔ اسے اُمُّ الدَّم کہتے ہیں۔

اس کی کچھ اور مثالیں بھی ہیں جو انشاءاللہ تعالیٰ آگے آئیں گی۔

باب ۱۴

مُعْرَب (باعراب حکائی) الفاظ

اس سے مراد وہ الفاظ ہیں جن پر عوامل کے اعتبار سے لفظی اعراب نہیں آتا۔ لفظی اعراب نہ داخل کرنے کا مقصد ان کی حیثیت کو قائم رکھنا اور ان کی حرکات و سکنات کو باقی رکھنا ہوتا ہے۔ اس صورت میں ان کا اعراب حکائی ہوگا۔ اگر اہل عرب انھیں اپنے کلام میں استعمال کرتے اور ان سے حکایت اور محافظت مقصود نہ ہوتی تو ان پر لفظی اعراب آسکتا تھا۔ اس قسم کے الفاظ طب میں بہت زیادہ ہیں۔

ہم نے مناسب سمجھا کہ یہاں ان میں سے کچھ کا تذکرہ کر دیں جو مدعی کے لیے کافی ہوں۔ تاکہ نہ تو ان کا ترک لازم آئے اور نہ اطناب ہو جائے۔ مثلاً:

أَنْفِيَالُوسُ: اس حمی کو کہتے ہیں جس میں اندرون جسم گرم ہو اور بیرون جسم سرد۔

سُونُوخُسُ: حمی کی وہ قسم ہے جو غلیانِ دم کی وجہ سے ہوتی ہے اس میں دوسرے تمام خلطی حمیات کی طرح کا تعفن نہیں ہوتا۔

سَقِيرُوسُ: ورم سوداوی کو کہتے ہیں۔

سَيَالِيُوسُ: تخم انجدان رومی کو کہتے ہیں۔

باب ۱۵

وہ الفاظ جو بصورت تثنیہ استعمال ہوتے ہیں

کچھ الفاظ تثنیہ ایسے ہیں جن کی واحد آتی ہے لیکن وہ مستعمل نہیں۔ اگر ہم ان کا واحد ذکر کریں تو جو کچھ تثنیہ سے سمجھ میں آتا ہے وہ واحد سے سمجھ میں نہ آئے۔ حاصل یہ کہ وہ ان الفاظ کو صرف بطور تثنیہ ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

شَأْنَيْن: ان دو عروق کو کہتے ہیں جو سر سے ابرو تک اور وہاں سے آنکھوں تک آتی ہیں۔ اس کا واحد شأن ہے۔ اگر ہم اسے مطلق استعمال کریں تو اس سے ان دو عروق میں سے ایک سمجھ میں نہیں آسکتی۔

الأسْهَرَان: ناک کے اندرون میں پائی جانے والی دو عروق کو کہتے ہیں۔

أَصْدَرَان اور أَصْدَغَان کنپٹی کے نیچے پائی جانے والی دو عروق کو کہتے ہیں۔

حَارِقَان: ان دو عروق کو کہتے ہیں جو زبان کے نیچے پائی جاتی ہیں۔

مُرَاسِلَان: ہتھیلی میں پائی جانے والی عروق کو کہتے ہیں۔

رَاھِشَان: بازو کے اندرون میں پائی جانے والی عروق کو کہتے ہیں۔

سَائِلَا اللُّعَاب: ان دو دہانوں کو کہتے ہیں جن سے لعاب نکلتا ہے۔

سَامِغَان: منہ کے دونوں کناروں (دائیں بائیں) کو کہتے ہیں جو مونچھ کے نیچے ہوتے ہیں۔

سَبِیْلَان: پیشاب اور پاخانہ کے دونوں راستوں کو کہتے ہیں۔

شَاعِرَان: وہ دو عروق ہیں جو سرین میں دونوں جانب ہوتی ہیں۔

اس باب میں تثنیہ کی ایک دوسری قسم بھی بیان کی جاسکتی ہے اور وہ ایسا تثنیہ ہے جس کا کوئی واحد نہیں آتا۔ مثلاً اُنْثَیَیْن اعضاء تناسل میں سے دو عضو (خصیے/ خصیۃ الرحم) کو کہتے ہیں۔ اکثر ائمۂ لغت کے نزدیک اس کا کوئی واحد نہیں آتا۔

باب ۱۶

وہ الفاظ جو بصورت جمع مستعمل ہیں

بصورت جمع مستعمل ہونے والے الفاظ جس طرح مختلف اوزان پر آتے ہیں اسی طرح ان کے بعض احوال بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض الفاظ کی واحد اور جمع یکساں ہوتی ہے۔ مثلاً:

شُکَاعیٰ: (حباریٰ کے وزن پر) یہ ایک کانٹے دار نبات ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ شکاعیٰ کا واحد اُشکاعَۃ ہے لیکن وہ مرجوح ہے۔

شَقَائِق: یہ معروف پھول ہے جسے اُردو میں لالہ کہتے ہیں۔

★ بعض الفاظ کی واحد تو آتی ہے لیکن جمع اپنے اطلاق پر باقی نہیں رہتا۔ مثلاً: اَدَاقِی یہ اَدْقِیَہ کی جمع ہے۔ لیکن یہ اپنے اطلاق پر نہیں ہے بلکہ اداقی

چوبیس ۲۴ اوقیہ کو کہتے ہیں۔

★ بعض الفاظ کا واحد معروف نہیں ہوتا۔ مثلاً

خَرَاطِین ایک قسم کے لمبے کیڑوں کو کہتے ہیں

سَوَاعِدُ : ہڈی میں مخ العظم کی گزرگاہوں کو کہتے ہیں۔

★ بعض الفاظ کے واحد معروف اور بسا اوقات مستعمل ہوتے ہیں لیکن لوگوں کے درمیان صرف جمع متداول ہوتا ہے مثلاً :

سَوَائِل : بدنی رطوبات کو کہتے ہیں اس کا واحد سَائِلَۃ ہے۔

سَوَاقِی : بدن کی ان عروق کہتے ہیں جو جداول سے چھوٹی ہوتی ہیں۔ اس کا واحد سَاقِیَہ ہے۔

اَمْشَاج : مخلوط مادوں کو کہتے ہیں اس کا واحد مشِیج ہے۔

تَوَابِل : مسالاجات کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ کھانے کی اصلاح کی جاتی ہے اور اسے سَرِیْعُ الِانْہِضَام بنایا جاتا ہے۔ اس کی واحد تابل ہے۔

جَدَاوِل : جو جدول کی جمع ہے ان عروق کو کہتے ہیں جو سواقی سے بڑی ہوتی ہیں۔

خَیَالَات : آنکھ کے سامنے محسوس ہونے والے رنگوں کو کہتے ہیں۔ اس کا واحد مشہور و معروف ہے یعنی خیال۔

★ بعض الفاظ کا واحد تو آتا ہے لیکن وہ طب میں مستعمل نہیں ہوتا مثلاً دَوَالی : پنڈلی اور قدم کی عروق کے کشادہ ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اس کا واحد دَالِیَۃ ہے۔ جو طب میں غیر معروف ہے اس لیے کہ لغت میں دوالی بصیغۂ جمع منقول ہوا ہے اس کا واحد اس معنی میں مستعمل نہیں ہے جس میں جمع کا استعمال ہوتا ہے۔

★ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا واحد ہوتا ہے لیکن وہ غیر معروف ہونے کے ساتھ ساتھ غیر مستعمل بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ذراریح اس کا واحد ذَرَاح اور ذُرُوح ہے۔

★ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے واحد کا علم نہیں ہوتا مثلاً مَذَاکِیر، مَسَامّ اور مَرَاقّ وغیرہ۔ جیسا کہ فقہ اللغۃ میں مذکور ہے۔

★ بعض الفاظ بصیغۂ جمع آتے ہیں لیکن معنی واحد یا تثنیہ کا ہوتا ہے۔ مثلاً لَہَوَات بعض متون کی شرح میں ہے کہ لہوات باعتبار افراد جمع ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیوں کہ یہ ان الفاظ میں سے ہے جو بصورت جمع ہیں لیکن اہل عرب ان سے مراد واحد لیتے ہیں اور مَنَاکِب اس سے مراد منکبان ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: رَجُلٌ عَظِیْمُ المَنَاکِبِ حالانکہ ایک شخص کے دو ہی کندھے ہوتے ہیں۔ اس کی مثال کتاب اللہ سے "فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا" (التحریم: ۴) اور یہ معروف ہے کہ دو افراد کے دو ہی دل ہوں گے۔ اسی طرح مَنَاخِر اور خَیَاشِیم (جو بصورت جمع ہیں) بول کر بھی تثنیہ ہی مراد لیا جاتا ہے۔

باب ۱۷

اسماءِ قوی

چونکہ قوی سے اصلاً افعال کا صدور ہوتا ہے اس لیے ماہرینِ لغت نے ان کا نام انھیں سے مشتق الفاظ پر رکھا ہے جن سے ان افعال پر دلالت ہوتی ہے مثلاً جس قوت سے دیکھنے کا کام انجام پاتا ہے اسے (فعل کو نا عل کی طرف منسوب کرتے ہوئے خواہ بطور مجاز) بَاصِرَہ کا نام دے دیا گیا۔ حکماء کے نزدیک قوی ان افعال کے آلات ہیں اور ان کا مبدأ درحقیقت نفس یا طبیعت ہوتی ہے۔ چونکہ افعال قوی ہی کے واسطے سے ظاہر ہوتے ہیں اس لیے انھوں نے ان افعال کو مجازاً ان قوی کی جانب منسوب کر دیا۔ اسی وجہ سے ایسے تمام الفاظ اسم فاعل کے وزن پر آتے ہیں۔

(سوائے چند کے جن کا تذکرہ ہم آگے کریں گے) مثلاً قوت بصر کو بَاصِرَہ، قوت سمع کو سَامِعَہ، قوت ذوق کو ذَائِقَہ، قوت لمس کو لَامِسَہ اور قوت شم کو شَامَّہ کہتے ہیں۔ یہ تو قوی مدرکہ ظاہرہ ہیں۔ انھیں پر قوی باطنہ کو بھی قیاس کرنا چاہیے۔ مثلاً وَاھِمَہ، مُتَصَرِّفَہ، مُتَخَیِّلَہ، حَافِظَہ، ذَاکِرَہ۔

قوی نفسانیہ یا طبیعت کی قوی محرکہ بھی ایسے ہی ہوں گی خواہ ان کی اتنی اقسام نہ ہوں۔ رہی قوی طبیعیہ تو ان کی بھی چند قسمیں ہیں۔ مثلاً قُوَّتِ غَاذِیَہ اور قُوَّتِ نَامِیَہ۔

قوت غاذیہ میں تین قوتیں آتی ہیں: مُحَصِّلَہ، مُشَبِّهَة اور مُلصِقَة، قوت غاذیہ کی چند خدمت گار قوتیں بھی ہیں۔ وہ بھی اسم فاعل کے وزن پر ہیں۔ مثلاً: جَاذِبَہ، مَاسِکَہ، هَاضِمَہ، دَافِعَہ۔ قوت طبیعیہ کی قسموں میں قُوَّتِ مُغَیِّرَہ اُولیٰ اور قُوَّتِ مُغَیِّرَہ ثَانِیَہ بھی ہیں۔ جن پر انسان کی بقا منحصر ہے اور جن قوتوں پر نوع انسانی کی بقا موقوف ہے انھیں مُوَلِّدَة اور مُصَوِّرَة کہتے ہیں۔ یہ وہ قوتیں ہیں جو اسم فاعل کے وزن پر آتی ہیں۔ رہی قوت نفسانیہ سے وہ قوتیں جو اس وزن پر نہیں آتیں ان میں سے چند یہ ہیں: حِسِّ مُشْتَرَک، خِیَال، شَوْقِیَہ، نُزُوعِیَة اسی طرح قُوَّتِ حَیَاۃ بھی اسم فاعل کے وزن پر نہیں ہے۔

باب ۱۸

کچھ متنوع الفاظ

ہم چاہتے ہیں کہ اس باب میں مختلف انواع کے کچھ ایسے الفاظ جمع کر دیں جن کی مثالیں بہت کم ہیں۔ تاکہ ان میں سے ہر نوع کے لیے الگ الگ باب منعقد کرنے

کی ضرورت نہ پڑے۔ مثلاً:

★ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے جمع میں فُعُول اور فِعَال کے اوزان اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قالی نے کہا ہے کہ سُمُوم اور سِمَام، سَم کی جمع ہیں۔ اور اس میں فُعُول اور فِعَال دونوں اوزان اکٹھا ہیں۔

★ بعض الفاظ نسبتی الفاظ کے وزن پر آتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں ان میں یائے نسبتی نہیں ہوتی۔ مثلاً خَطِمِی، صاحبِ "دِیْوَانُ العَرَب" نے دُرْدِیُّ الزَیْت کو بھی اس باب میں شامل کیا ہے لیکن بعض کا کہنا ہے کہ یہ محلِ نظر ہے۔

★ بعض الفاظ میں نسبتِ غریبہ پائی جاتی ہے۔ مثلاً بَاحُورِی بعض لوگوں نے اس لفظ کی نسبت خلافِ قیاس بُحْرَانی کی طرف کی ہے۔ اس لیے کہ قیاس کی رُو سے اسے بحرانی ہونا چاہیئے تھا نہ کہ باحوری۔

★ بعض الفاظ کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ حالانکہ ان میں تانیث کی علامت (ۃ) ہوتی ہے۔ مثلاً حَبَّة اور دَجَاجَة۔ اس کی توجیہ جوھری نے یہ کی ہے کہ ان الفاظ کے آخر میں (ۃ) ان کے واحد ہونے کی علامت کے طور پر ہے اور یہ حمامَة کی جنس سے ہیں۔

★ بعض الفاظ مذکر اور مؤنث دونوں پر دلالت کرتے ہیں لیکن ان میں تانیث کی علامت نہیں ہوتی۔ مثلاً اللِسَان، شیخ جمالُ الدِین ابنِ مالک نے منظوم شکل میں ان الفاظ کو بیان کیا ہے جن کا استعمال مذکر اور مؤنث دونوں صورتوں میں ہوتا ہے:

یمین، شمال، کف القلب، خنصر — شه، بنصر، سن، رحم، ضلع، کبد
کرش، عین الاذن، القتب، نخد، قدم — ورک، کتف، عقب، ساق الرجل ثم ید
لسان ذراع عاتق عنق قفا — کراع وضرس ثم ابهام العضد
ونفس وروح فرس وقر اصبع — معا، بطن، ابط عجز السد برلا تزد

اس قسم کے الفاظ کے لیے درج ذیل اشعار بھی منقول ہیں:

هذه ثمان جارحات عددتها   تونث احیاناً وحیناً تذکر
لسان الفتی والابط والعنق والقفا   وعاتقه والمتن والضرس یذکر
وعند ذراع المرأ ثم حسابها   فذکر وأنث انت فیما مخیر

★ بعض الفاظ مُصَغَّر کی ہیئت پر آتے ہیں۔ مثلاً :

مُرَیْطا : (اس کا معنی آگے بیان کیا جائے گا۔)

قُصَیْرٰی : آخری پسلی کو کہتے ہیں۔

دُمَیْلا : ڈنک مارنے والے ایک کیڑے کا نام ہے۔

اور اُسَیْلِم : ایک عرق ہے جس کا بیان آگے آئے گا۔

★ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کی جمع "ون" سے آتی ہے۔ مثلاً کرۃ کی جمع کرون اور ادزہ اور ادز کی جگہ اُدزُون۔

باب ۱۹

وہ الفاظ جن میں باہم کچھ فرق ہے

اس سے مراد ہمارے نزدیک الفاظ کا باہم مشابہ اور غیر مشابہ ہونا نہیں بلکہ معانی کا مشابہ اور غیر مشابہ ہونا ہے۔ یہاں پوری بحث کا استیعاب کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے اس لیے کہ یہ بہت وسعت رکھتا ہے اور اس کی بیشمار مثالیں ہیں۔ اس لیے ہم حسب معمول اس کی بھی کچھ مثالوں پر اکتفا کریں گے تاکہ ترک لازم نہ آئے مثلاً

★ تَنَاثُر اور تَمَرُّط دونوں کے معنی بعض لوگوں کے نزدیک ایک ہی ہیں۔ یعنی طویل امراض کے بعد لاحق ہونے والے ضعف کے سبب بالوں کا گرنا۔ دونوں کے درمیان بسا اوقات یہ فرق کیا جاتا ہے کہ تناثر اس وقت کہیں گے جب بال متفرق جگہ

سے گریں اور تمرط اس وقت کہیں گے جب ایک ہی جگہ سے بال گر رہے ہوں۔

★ تَہَبُّج اور نَفْخَۃ: بدن میں ریحی ہیئتوں پر دلالت کرنے کے لیے دو الفاظ ہیں لیکن ریح اگر عضو میں داخل ہو تو اسے تَہَبُّج اور اگر بدن کی کسی ایک حصہ میں جمع ہو۔ (اس میں داخل نہ ہو) تو اسے نَفْخَہ کہتے ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں میں یہ فرق بھی کیا جاتا ہے کہ تہبج میں عضو کو دبانے پر دباؤ کا نشان بن جاتا ہے لیکن نفخہ میں ایسا نہیں ہوتا۔

★ اِمْتِزَاج اور اِخْتِلَاط: دونوں میں یہ فرق ہے کہ امتزاج میں اجزا کے درمیان فرق و امتیاز کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن اختلاط میں حس کے وقت فرق ظاہر ہو جاتا ہے اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ اِخْتَلَطَ الْمَاءُ بِالزَّاجِ (پانی اور پھٹکری کا اختلاط ہو گیا) اس لیے کہ پھٹکری پانی میں حل ہو جاتی ہے یہاں تک کہ دونوں میں امتیاز ممکن نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رقیق اجزا جب غلیظ اجزاء کے ساتھ باہم یوں ملیں کہ ان میں فرق کیا جا سکے (مثلاً پانی اور مُخَاط) تو یہ کہنا مناسب نہیں کہ دونوں کا اِمْتِزَاج ہو گیا اس لیے کہ حس کے وقت دونوں کے درمیان تمیز کی جا سکتی ہے۔

★ دَاءُ الثَّعْلَب اور دَاءُ الْحَيَّة: دونوں امراض زینت میں سے ہیں جن میں بال گر جاتے ہیں۔ البتہ ان میں فرق دو اعتبار سے ہے۔ ایک باعتبار سبب اور دوسرے باعتبار ان ہیئتوں کے جو سقوط شعر کے بعد سر کی جلد میں ظاہر ہوتی ہیں۔ پہلے اعتبار سے دَاءُ الثَّعْلَب کا سبب صفراوی مادے یا ان سے ملا ہوا مِرَّۃ سَوْدَاء ہوتا ہے۔ اور دَاءُ الْحَيَّة کا سبب احتراق شدہ سوداوی مادے یا بَلْغَم مَالِح ہوتا ہے۔ دوسرے اعتبار سے فرق یہ ہے کہ دَاءُ الْحَيَّة میں بالوں کے گرنے سے سانپ کے رینگنے جیسی شکل بن جاتی ہے جبکہ داء الثعلب میں بال گرنے سے ایسی شکل نہیں بنتی۔

★ دَاءُ الْفِيل اور دَوَالِي:۔ یہ دونوں بھی متشابہ امراض میں سے ہیں۔ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر کا مادہ عروق سے نکل کر گوشت میں سرایت کر جاتا ہے جبکہ مؤخر الذکر کا مادہ عروق سے نکلتا نہیں بلکہ انھیں میں رہتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اول الذکر میں عروق نمایاں نہیں ہوتیں جبکہ موخر الذکر میں وہ خوب نمایاں ہو جاتی ہیں۔

★ رَعشَہ اور اختِلَاج :۔ دونوں غیرارادی حرکتیں ہیں۔ البتہ ان میں کئی فرق ہیں (۱) رعشہ صرف متحرک اعضاء میں ہوتاہے جبکہ اختلاج عام ہے۔ (۲) رعشہ عموماً اطراف (ہاتھ، پیر اور سر وغیرہ) میں ہوتاہے جبکہ اختلاج عضلہ میں ہوتاہے خواہ کسی عضو میں ہو۔ (۳) رعشہ حالت سکون میں کم اور حرکت کی صورت میں زیادہ ہو جاتاہے۔ جبکہ اختلاج کا حال اس کے برعکس ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ رعشہ کا سبب ضعفِ قوت اور اختلاج کا سبب ریح ہے۔ حرکت کی وجہ سے اس میں لطافت آجاتی ہے اور اختلاج ختم یا کم ہو جاتاہے۔ (۴) رعشہ کا ازالہ علاج کے ذریعہ مشکل ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ مزمن شکل اختیار کرے۔ اور اختلاج بسا اوقات بغیر کسی علاج کے خود بخود ختم ہو جاتاہے اس لیے کہ اختلاجی حرکت بعینہٖ مرض کے ہلکے ہونے یا ختم ہونے کا سبب ہوتی ہے کیونکہ یہ کیفیت مرض کے دفع کرنے کی طبعی تدابیر میں سے ہے۔

★ اِنسِدَاد اور سُدّۃ :۔ یہ دونوں بھی متشابہ الفاظ میں سے ہیں۔ انسداد کا اطلاق مسامات جلد اور عروق کے کناروں کے ملنے پر ہوتاہے اور سدّہ اس چیز کو کہتے ہیں جو مجاری میں رک کر غذا اور فضلات کو آگے بڑھنے اور نکلنے سے روک دیتی ہے۔

★ سَکُوب اور نَطُول: ان سیالات میں سے ہیں جنھیں ان اعضاء پر گرایا جاتا ہے جن کا علاج مقصود ہوتاہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ سَکُوب کا اطلاق رقیق پر ہوتاہے اور نَطُول کا غلیظ (گاڑھے) پر۔ صَاحِبُ المِفتَاح نے لکھاہے کہ "ایسا معلوم ہوتاہے کہ نُطُول نَطَلَ سے مشتق ہے جس کے معنی دُردِیّ کے ہیں"۔

★ طِلَاء اور ضِمَاد: ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ طِلَاء رقیق ہوتاہے اور ضماد غلیظ (گاڑھا)۔

★ دَوِیّ اور طَنِین: دونوں الفاظ آوازوں کے لیے ہیں۔ لیکن پہلا موٹی اور ملائم آواز (اعظم والین) پر دلالت کرتاہے اور دوسرا دقیق اور تیز آواز (ادق واحد) پر۔

باب ۲۰

ادویہ کے اسما و القاب

دواؤں میں مختلف خاصتیں پائی جاتی ہیں، بعض بذاتہٖ دوا میں ہوتی ہیں بعض بدن انسانی میں تاثیر کے اعتبار سے ہیں اور بعض طریقۂ استعمال کے اعتبار سے، اور ہر قسم کچھ انواع پر مشتمل ہے اس لیے اطبا نے انھیں مختلف اسما سے موسوم کیا ہے۔

★ پہلی قسم میں ایسے اسما ہیں جو باہم متضاد ہیں۔ مثلاً لطیف اور کثیف، جامد اور سیّال، خفیف اور ثقیل وغیرہ۔ یہ تمام صفات بذاتہٖ ادویہ میں پائی جاتی ہیں اس لیے اطبا نے ان کے ایسے نام رکھے ہیں جن میں تعدیہ کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔

★ دوسری قسم کی چار اصناف ہیں: صنف اول حرارت کے تابع ہے۔ مثلاً مسخن، ملطف، محلل، جالی، ہاضم، قاشر، غسال، مخشن، مفتح، مُرخی، منضج، مقطع، کاسرِ ریاح، جاذب، لاذع، محمّر، محکک، مقرّح، اکّال، محرق، مفتت، معفن، کاوی وغیرہ۔ صنف دوم برودت کے تابع ہے۔ مثلاً مبرّد، ردّاع، مغلظ، مفجج، مخدّر، وغیرہ

صنف سوم لازم رطوبت ہے۔ مثلاً مرطب، موسخ، مزوج، مزلق، مملس وغیرہ۔ صنف چہارم لازم یبوست ہے مثلاً مجفف، عاصر، قابض، مسدد، مدمل، منبتِ لحم، خاتم۔

★ تیسری قسم میں ان ادویہ کے اسما آتے ہیں جو مختلف اعتبارات سے استعمال ہوتی ہیں مثلاً ان میں سے بعض کان، ناک یا آنکھ میں ٹپکائی جاتی ہیں۔ بعض سے بدن کی مالش کی جاتی ہے۔ بعض شرم گاہ (قبل یا دبر) میں رکھی جاتی ہیں۔ بعض کو عضو پر چھڑکا جاتا ہے۔ بعض کا

طلا، یا ضماد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے نام طریقۂ استعمال کی مناسبت سے رکھے جاتے ہیں. مثلاً
قَطُور، مَرُوخ، حَمُول، ذَرُور، طِلاء، ضِمَاد وغیرہ۔

قسم اول کے اسمار میں مُزَادجَت کا مفہوم پایا جاتا ہے، قسم ثانی میں چونکہ اعتبار بدن پر ادویہ کی تاثیر کا ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے ایسے نام رکھے گئے ہیں کہ ان میں تعدیہ کا مفہوم پایا جاتا ہے وہ سب قسم اول کی طرح اسم فاعل کے وزن پر آتے ہیں۔ یہ قسم (یعنی قسم دوم) دو جنسوں پر مشتمل ہے۔ ایک کیفیات اولی (جو عناصر کی صورتوں کے تابع ہوتی ہیں) کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ مثلاً حَرَارَتْ، بُرُودَتْ، رُطُوبَتْ، یُبُوسَتْ۔ اس جنس میں صرف چار اسمار آتے ہیں۔ مُسَخِّن، مُبَرِّد، مُرَطِّب اور مُجَفِّف ۔ دوسری جنس کیفیات ثانوی (جو کیفیات اولی کے تابع ہوتی ہیں) کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ مثلاً: تَلْطِیفِ حَرَارَت، رَدْعِ بُرُودَت، نُضْجِ رُطُوبَت اور عَصْرِ یُبُوسَت وغیرہ اس جنس میں بہت سے اسمار شامل ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ "قسم دوم کی ادویہ کی تاثیر کو کیفیات اولی کے بجائے صورتوں کے تابع رہنے والی خاصیتوں کی جانب منسوب کرنا ضروری ہے۔ ورنہ مثال کے طور پر ہر حار ملطف ہو جائے گا، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا" اس لیے کہ ہم کہیں گے کہ حرارت کے کئی مراتب ہیں جن کی وجہ سے ادویہ حارہ کی تاثیرات مختلف ہوتی ہیں مثلاً دوا، میں تسخین کی خاصیت اس وقت پائی جاتی ہے جب وہ اعتدال سے نکل جائے اور اس میں کسی حد تک حرارت پائی جائے۔ پھر اگر حرارت میں اضافہ ہو تو وہ تَلْطِیف کرے گی اور اگر تلطیف کی حد سے بھی تجاوز کر جائے تو تَحْلِیل کرے گی۔ پھر مزید حرارت بڑھے تو اس سے جِلَاء ہوگا اس لیے ہر حار دوا ملطف یا محلل یا جالی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اطبار نے جب دیکھا کہ بَزْرُ الْهِنْدَبَا، کبد کے سدّوں کو کھولتی ہے تو انھیں اس میں "خاصیت" پائے جانے کا اعتراف کرنا پڑا. اس لیے کہ تَفْتِیح حرارت کے تابع ہوتی ہے۔ پس اگر بزرُ الهندبا گرم ہوتا تو وہ اس کی تفتیح کی خاصیت کو حرارت کی طرف منسوب کرتے۔ معلوم ہوا کہ اگر تفتیح کی خاصیت

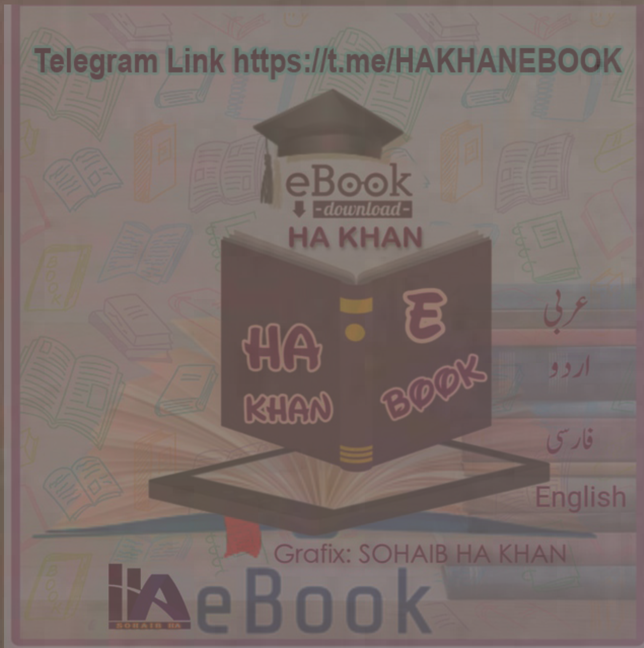
ادویہ باردہ میں پائی جائے تو وہ صورت کی جانب منسوب ہوگی ۔ ورنہ اس کی نسبت حرارت کی جانب کی جائے گی ۔ اس پر بقیہ ادویہ کو بھی قیاس کر لینا چاہیئے ۔ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ وہ افعال صورتوں کے تابع ہیں تو یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ ادویہ کی صورتیں بغیر کیفیات کے توسط کے مذکورہ افعال انجام دیتی ہیں ۔ اس وجہ سے ہم ان افعال کو کیفیات کی جانب منسوب کرتے ہیں ۔

★ ادویہ کی تیسری قسم کے اکثر اسمار فعُول کے وزن پر ہوتے ہیں ۔ اور ایسے الفاظ سے معروف ہیں جو ان سے مشتق ہیں ۔ مثلاً :

ذُرُوُر :۔ وہ دوا جسے عضو پر چھڑکا جائے ۔

حَمُول :۔ وہ دوا جسے شرمگاہ میں رکھا جائے ۔

لَطُوخ :۔ وہ دوا جسے عضو پر لگایا جائے ۔



باب ۲۱

متضاد الفاظ

• متضاد الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ ایک لفظ دوسرے لفظ کے متضاد معنی پر دلالت کرے ۔ مثلاً :

سِمَن و ھُزَال :۔ (موٹاپن اور دبلاپن) سمن کے معنی اعضا غیر اصلیہ مثلاً لحم اور شحم وغیرہ میں زیادتی کے ہیں اور ہزال کے معنی اس میں کمی کے ہیں ۔

نُمُو و ذُبُول :۔ نمو کے معنی اعضار اصلیہ مثلاً عظم ، رباط ، عصب اور عروق وغیرہ میں اقطار ثلاثہ (یعنی طول و عرض و عمق) میں زیادتی کے ہیں اور ذبول کا

مطلب ان میں کمی کے ہیں۔ البتہ طول میں کمی حس کے وقت اس طرح ظاہر نہیں ہوتی جس طرح عرض اور عمق میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بات اس صورت میں کہی جائے گی جب یہ ثابت ہو جائے کہ اجسام کے طول میں بھی کمی آتی ہے لیکن میرے نزدیک یہ بات ثابت شدہ نہیں ہے اس لیے کہ جو اوتار ایک عضو سے دوسرے عضو تک ہوتے ہیں ان کے طول میں بظاہر کمی نہیں ہوتی اسی طرح عظم (ہڈی) کے طول میں کمی بھی مشاہدہ میں نہیں آتی۔ اس لیے اس سلسلے میں غور کر لینا چاہیے۔

★ تضاد کی ایک دوسری قسم بھی ہے اور وہ یہ کہ دو الفاظ حقیقت میں متضاد نہ ہوں لیکن ان کے استعمال سے تضاد کا مفہوم پیدا ہو جائے۔ مثلاً:

لِین اور اِعتِقَال: (جب ان کی اضافت بطن کی طرف ہو) حقیقت میں لین کی ضد صلابت ہے نہ کہ اعتقال۔ اسی طرح اعتقال کی ضد لین نہیں ہے لیکن اطبا جب لِینُ البطن کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد لِینُ البراز (براز کا پتلا ہونا) ہوتی ہے اور جب اِعتِقَالُ البطن کہتے ہیں تو اس سے مراد اکثر جَفَافُ البراز (براز کا خشک ہونا) ہوتا ہے۔

★ یا دونوں الفاظ متضاد ہوں لیکن بطور مجاز اطبا اس کے برخلاف استعمال کرتے ہوں۔ مثلاً:

رُطُوبَت اور یُبُوسَت: رطوبت کا اطلاق بدن میں پائے جانے والے مرطب اور سیال جسم پر ہوتا ہے۔ مثلاً: اَخْلَاط، رُطُوبَاتِ ثَانِیہ، مَنِی، مَذِی، وَدِی اور بدن کے دوسرے سیال مادے۔ البتہ اگر جسم رطب کا کوئی مخصوص نام ہوتا ہے تو اسی سے پکارا جاتا ہے۔ مثلاً مَنِی، مُخَاط، عَرَق اور خِلْط وغیرہ۔ لیکن یبوست (جو اس کی ضد ہے) کا اطلاق بدن کی ہر خشک اور یابس چیز پر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رطوبت کا اطلاق بدن میں موجود رطب اجسام پر مجازاً ہوتا ہے برخلاف یبوست کے کہ اس کا اطلاق مجازاً نہیں ہوتا۔

اس باب میں اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ مثلاً جَامِد و سَائِل، لَطِیف و

کثیف، اور مُسہل و قابِض وغیرہ کے معانی میں تضاد پایا جاتا ہے۔ لیکن ہم اس مقدمہ میں اطناب سے گریز کر رہے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف باب منعقد کر کے اس کی چند مثالیں بیان کر دینا ہے جو ہمیں طبّی الفاظ و اصطلاحات کا استقرا کرنے کے بعد حاصل ہوئی ہیں تاکہ ان کی روشنی میں ناظرین خود ہی دوسری مثالوں کے استخراج پر قادر ہو سکیں۔

باب ۲۲

مترادف الفاظ

ترادف کا مطلب یہ ہے کہ دو الفاظ ایک معنی میں ہوں مثلاً (جمہور اطبا کے نزدیک) وَجَع اور اَلَم البتہ قرشی اور ان سے پہلے کے بعض اطبا کا خیال ہے کہ الم وجع سے زیادہ عام ہے اس لیے کہ وَجَع قوت لمس کے شیٔ منافی سے انفعال کو کہتے ہیں جبکہ اَلَم صرف شیٔ منافی کے ادراک کو کہتے ہیں خواہ کسی بھی قوت سے ہو۔

مُدْرِکَہ اور جُمُوْد مترادف الفاظ میں سے نہیں ہیں۔ کیوں کہ مترادف میں اعتبار مفہوم میں اتحاد کا ہوتا ہے اور چونکہ یہ دونوں باوجود باعتبار ذات متحد ہونے کے، مترادف مفہوم میں نہیں ہیں اس لیے ان کا شمار مترادفات میں نہیں ہوگا۔ مرض کو مُدْرِکَہ اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ وہ انسان کو اس حالت میں پاتا ہے جس پر وہ مرض ظاہر ہونے سے پہلے تھا اور مرض کو ہی جُمُوْد اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ مریض ظہور مرض کے بعد جامد رہتا ہے اور حرکت نہیں کر سکتا۔

ترادف کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ترادف دو ایسے الفاظ کے درمیان ہو جو ایک ہی زبان کے ہوں۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔

(۲) ترادف دو ایسے الفاظ کے درمیان ہو جو مختلف زبانوں کے ہوں مثلاً بسفایج اور کوکودیون یہ دونوں ایک مخصوص نبات کے نام ہیں. لیکن دونوں مختلف زبانوں کے ہیں.

ترادف کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں الفاظ مفرد ہوں. اگر ایک مفرد ہے اور دوسرا مرکب تو انھیں مترادف نہیں قرار دیں گے. مثلاً لیثرغس اور سرسام بلغمی کہ یہ دونوں مترادف نہیں ہیں کیوں کہ سرسام بلغمی روایتی مرکبات میں سے ہے. (حالانکہ صرف سرسام صحیح قول کے مطابق مرکب لفظ ہے)

چونکہ ترادف کے لیے مفہوم کا اتحاد ضروری ہے. اس لیے مختلف زبانوں کے دو الفاظ جن میں سے ایک کا مفہوم دوسرے کے مفہوم سے مختلف ہو. مترادف نہیں کہلائیں گے اسی لیے قاذون اور صرع کو مترادف نہیں کہیں گے. کیوں کہ قاذون کے معنی یونانی زبان میں صبیانی کے ہیں (جو کہ صرع کا ایک نام ہے اس لیے کہ وہ ان کے یہاں کثرت سے ظاہر ہوتا تھا) اور صرع کے معنی "طرح علی الارض (زمین پر گرانا) ہیں. اسی طرح ابراقلسا (جو یونانی لفظ ہے اور اس کی اصل برقس ہے. یہ ایک ظالم اور سرکش بادشاہ کا نام تھا. اس سے مشتق کر کے صرع کا نام ابراقلسا رکھا گیا) اور صرع (جس کے معنی طرح علی الارض کے ہیں) کو بھی مترادف نہیں کہا جا سکتا. البتہ صبیانی اور قاذون مترادف ہیں کیوں کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے.

باب ۲۳

وہ الفاظ جن کے ہم معنی عربی الفاظ نہیں ہیں

طب پہلے یونانی زبان میں تھی. بعد میں جب اطبا نے اسے عربی زبان میں

منتقل کیا تو وہ بعض الفاظ کو علی حالہ باقی رکھنے اور بغیر ترجمے کے انھیں اپنی کتابوں میں شامل کرنے پر مجبور ہوئے۔ اسی وجہ سے طب میں کچھ الفاظ ایسے ہیں جن کے ہم معنی عربی الفاظ نہیں ملتے۔ البتہ ایسے الفاظ کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ سریانی الفاظ تو ان سے بھی کم ہیں۔ البتہ فارسی زبان کے ایسے الفاظ جن کے ہم معنی الفاظ عربی زبان میں نہیں ہیں۔ طب میں کافی شامل ہیں اس لیے کہ بلاد فارس کے متعدد اطبا، نے فن طب میں مہارت حاصل کی ہے اور وہیں پرورش پائی ہے اس وجہ سے انھوں نے اپنی تصنیفات میں اپنی زبان کے متعدد الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہی حال ہندی زبان کے الفاظ کا بھی ہے۔

یونانی زبان کے الفاظ کی مثال:

اَطْرُدُغِیَا: یعنی کھانے کی خواہش نہ ہونے کے سبب بدن کا دبلا ہونا۔

اَنْقِیَاکُوْس: حمی کی وہ قسم جس میں ظاہر بدن میں حرارت اور اندرون میں ٹھنڈک ہوتی ہے۔

لِیْفُوْرِیَا: یہ اَنْقِیَاکُوْس کا اُلٹا ہے۔

اَمُوْرِیْدُوْس: بواسیر کی وجہ سے جَرَیَانُ الدَّم کو کہتے ہیں۔

فارسی زبان کے الفاظ کی مثال:

چَهَارْرَگْ: یعنی چار عروق۔ یہ دونوں ہونٹوں میں ہوتی ہیں۔ دو اوپر کے ہونٹ میں اور دو نچلے ہونٹ میں۔

دِیْگ بَرْدِیْگ: یعنی ہانڈی پر ہانڈی۔ یہ سَمُّ الفَارِ العَمَلی ہے۔

ہندی زبان کے الفاظ کی مثال:

مَہَامَھْرَان: یہ ایک ہندوستانی معجون ہے جو اس کے موجد طبیب کی جانب منسوب ہے۔

اس باب کا معاملہ اکثر ماہرین پر بھی مشتبہ ہو جاتا ہے چنانچہ وہ عجمی الفاظ کو طب میں مستعمل دیکھتے ہیں تو گمان کرتے ہیں کہ شاید ان کے ہم معنی اسماء عربی زبان میں

نہیں ہیں۔ حالانکہ ان کا گمان صحیح نہیں۔ جیسا کہ باب پنجم کی مثالوں سے واضح ہوا بہرحال اعتبار ان الفاظ کا ہوتا ہے جنھیں اطبار نے قبول کیا ہو اور وہ طب میں متداول اور اصطلاحی ہو گئے ہوں۔ جن الفاظ کے ہم معنی عربی زبان میں ہیں۔ لیکن وہ متداول نہیں ہیں ان کی حیثیت ایسی ہے گویا بہ حیثیت وضع ان کے دوسرے نام نہیں ہیں۔

باب ۲۴

اضافت

لغت میں اضافت کسی شیٔ کی نسبت دوسری شیٔ کی طرف کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں اس کا مطلب ہے نکرہ کی نسبت معرفہ کی طرف کرنا تاکہ وہ بھی معرفہ ہو جائے یا نکرہ کی نسبت نکرہ کی طرف کرنا تاکہ اس میں کچھ تخصیص پیدا ہو جائے۔

شیخ امام ابوالحسن علی بن سُلَیمان بن اَسعد بن علی بن تمیم فرماتے ہیں:

"علمار نے مضاف کو مہمان سے تشبیہ دی ہے جو صاحب منزل (میزبان) سے منسوب ہوتا ہے اور اسی سے جانا جاتا ہے۔"

اضافت کی دو قسمیں ہیں: (۱) اضافت محضہ اور (۲) اضافت غیر محضہ

اضافت محضہ میں صحیح قول کے مطابق "ل" مقدر (پوشیدہ) ہوتا ہے مثلاً جُمُودُ الصَّدرِ یعنی جُمُودٌ عَرَضٌ لِلصَّدرِ (سینہ میں پیدا ہونے والا جمود)۔

چونکہ اضافت کی اصل تملیک ہوتی ہے اور "ل" کے علاوہ کسی حرف میں تملیک کے معنی نہیں پائے جاتے اس لیے کہا گیا ہے کہ جس اضافت میں "ل" مقدر ہو وہ اضافت محضہ ہے۔ کیوں کہ تملیک میں اضافت اور "ل" دونوں پائے جاتے ہیں۔ اسی لیے جس اضافت میں من یا فی مقدر ہو اسے اضافت غیر محضہ کہیں گے کیوں کہ اس میں

تملیک کے معنی مفقود ہوتے ہیں۔ حاصل یہ کہ جس اضافت میں 'ل' مقدر نہ ہو' وہ غیر محضہ ہے۔ اس میں اضافت کی وہ تمام قسمیں داخل ہیں جن کا ہم آگے تذکرہ کریں گے چنانچہ ہم کہیں گے کہ اضافت (خواہ وہ محضہ ہو یا غیر محضہ) کی درج ذیل قسمیں ہیں۔

★ تملیک مثلاً مِنقارُ الغُرَاب: تُرَابُ الکَف، تَسَقُّطُ الرَّاسِ اور ذَاتُ الصَّدْرِ وغیرہ

★ مُلَابَسَت۔ اضافت کی اس قسم کو ملابست کا نام اس لیے دیا گیا کیوں کہ اس میں مضاف، مضاف الیہ کے ساتھ رچ بس جاتا ہے اور اس کے عین مطابق ہوتا ہے گویا اسے اسی کے لیے وضع کیا گیا تھا۔ مثلاً: بَنَاتُ اللَّیل ان بثور کو کہتے ہیں جو رات میں نکلتی ہیں۔ گویا وہ رات ہی کے لیے ہیں۔ چنانچہ سورج طلوع ہوتے ہی غائب ہو جاتی ہیں اور سورج ڈوبتے ہی نمودار ہو جاتی ہیں۔ ان کی رات سے اسی ملابست اور موافقت کی وجہ سے انھیں اس کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

★ عام کی اضافت خاص کی طرف: اس میں شرط یہ ہے کہ منسوب الیہ منسوب کی اصل ہو مثلاً حُمّی الدِّق حمی عام ہے اور دق خاص ہے۔ اس میں دق، حمی کی اصل ہے۔ جس کی طرف حمی کی اضافت ہو رہی ہے۔

★ اضافت وصف و محذوف: مثلاً حَجَرُ الاَحمَر اس سے وصف مشتق ہے کیوں کہ اگر مضاف پر "ال" داخل کر دیا جائے تو مضاف الیہ اس کی صفت بن سکتا ہے اور اسی سے حذف مشتق ہے۔ کیوں کہ موصوف محذوف ہے اور صفت اس کے قائم مقام ہے۔ کیوں کہ تقدیر ہے حَجَرُ الشَّیئِ الاَحمَر اگر یہ مقدر نہ مانا جائے تو حجر کی اضافت الاحمر کی طرف صحیح نہ ہوگی کیوں کہ وہ اس کی صفت ہے۔ اور صفت موصوف کے معنی میں ہے اور شئی کی اضافت اس کے مثل کی طرف نہیں ہوتی۔ لیکن جب کہا جائے گا حَجَرُ الشَّیئِ الاَحمَر تو یہ صحیح ہوگا کیوں کہ حجر شئی کے علاوہ ہے۔

★ اضافتِ تشبیہہ: یعنی صفت مشبہ کی اضافت۔ چونکہ اس کے صیغے کم ہیں جو سماعی ہیں۔ مثلاً خَشِن، صَعب، شَدِید، اس لیے ہمیں طب میں کوئی ایسا اصطلاحی

لفظ نہیں ملتا جس میں اس قسم کی اضافت پائی جا رہی ہو۔

★ اضافتِ تخفیف: مثلاً سَابِقُ السَّیل کہ یہ اس بحران ردی کو کہتے ہیں جو نضج اور منتہیٰ سے پہلے ہو۔ اس اضافت کو تخفیف اس لیے کہتے ہیں کیونکہ سَابِقُ السَّیل کی اصل ہے سَابِقٌ سَیلاً (تنوین اور نصب کے ساتھ) اضافت کے وقت ثقیل ہونے کی وجہ سے سابق سے تنوین حذف کر دی گئی۔

اوپر ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ معمولی تبدیلی کے ساتھ صاحبُ المُشکِل کے کلام سے منقول ہے۔ اطبا کہتے ہیں کہ مشبہ مشبہ بہ کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ مثلاً دَاءُ الفِیل اور دَاءُ الاَسَد (اگر ان میں مشابہت کا اعتبار کیا جائے) اور اگر یہ کہا جائے کہ ان امراض کو دَاءُ الفِیل اور دَاءُ الاَسَد اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ یہ ان میں زیادہ ہوتے ہیں تو اس صورت میں اضافت ملابست کی وجہ سے ہو گی جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ البتہ جو لوگ ان میں تشبیہ کا اعتبار کرتے ہیں ان کے نزدیک داء الفیل کا مطلب یہ ہوگا کہ اس مرض میں مریض کے پاؤں اور پنڈلیاں موٹی ہونے لگتی ہیں۔ حتیٰ کہ ہاتھی کے پیروں کے مشابہ ہو جاتی ہیں اور دَاءُ الاَسَد (جسے جذام بھی کہتے ہیں) کا مطلب یہ ہوگا کہ اس مرض میں مریض کے چہرے اور بدن پر شیر کے چہرے کی مانند سلوٹیں اور گانٹھیں ابھر آتی ہیں اور آنکھ گھورتی ہوئی معلوم دیتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ چونکہ یہ مرض شیر کی طرح حملہ کرتا ہے اس لیے اسے دَاءُ الاَسَد کہا گیا ہے۔

★ مظروف کی اضافت ظرف کی طرف، تقدیر کے ساتھ: مثلاً: ذَاتُ الجَنب اور ذَاتُ الرِّئَہ وغیرہ۔ ذات صفت ہے علتہ کی جو محذوف ہے۔ یعنی عِلَّۃٌ صَاحِبَۃُ الجَنبِ وَالرِّئَۃِ (وہ مرض جو پہلو میں اور پھیپھڑوں میں ہوتا ہے)

★ اضافت کے تعلق سے اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مضاف میں بسا اوقات اضافت کے وقت مصنوعی معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر اضافت ختم کر دی جائے تو وہ اپنی لغوی حقیقت پر باقی رہتا ہے۔ مثلاً سَاقِیُ الاَمعَاء میں

زلق کی اضافت ۔ اگر زلق کو بغیر اضافت کے مطلق بولا جائے تو اس کے معنی کیچڑ یا کسی وجہ سے پاؤں پھسلنے کے ہوں گے، لیکن جب اس کی اضافت امعاء کی طرف جاتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے۔ معدہ اور امعاء کی وہ کیفیت جس میں غذا نہیں ٹھہرتی بلکہ مسلسل خارج ہوتی رہتی ہے۔

★ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے معنی میں تعدیہ کا مفہوم شامل ہوتا ہے لیکن اضافت کے وقت ان سے معنی لازم ہی مراد ہوتے ہیں۔ مثلاً تَقطِیرُ البَول۔ تقطیر فعل متعدی ہے لیکن اس سے مراد بلا ارادہ پیشاب کا قطرہ قطرہ ٹپکنا ہے۔

باب ۲۵

وہ الفاظ جنہیں عام بول کر ان سے خاص معنی مراد لیا جاتا ہے

یہ باب اگرچہ طب میں بہت وسعت رکھتا ہے لیکن یہاں ہم اطناب سے احتراز کرتے ہوئے اس کی صرف چند مثالیں ہی بیان کریں گے۔ اطباء کبھی کوئی عام لفظ بولتے ہیں لیکن اس سے خاص مراد لیتے ہیں۔ مثلاً،

- بَزرۃ سے مراد بَزرُ الکَتّان ہوتا ہے۔
- حِجاب سے مراد بَارِیطُون (مراق اور ثرب کے درمیان کی ایک غشاء) ہے۔
- شَراب سے مراد عَقِیدُ العِنَب (انگور کا شیرہ) ہے۔
- شَھوَت سے مراد اِشتِھَاءِ طَعَام اگرچہ لغت میں اس کے معنی عام ہیں جس میں بھوک اور دوسری شہوات شامل ہیں اس لیے کہ شہوت کے معنی ہیں نفس کا لذت بخش چیزوں (جنہیں انسان طبعاً پسند کرتا ہے) کی طرف مائل ہونا۔

- غِبّ سے مراد غِبِّ دائرہ (حمی صفراوی کی ایک قسم)
- شَرَاب سے مراد مَشْرُوبَت۔ کبھی اس سے مراد خَمر (شراب) ہوتی ہے۔

یہ وہ مفرد الفاظ ہیں جن کا استعمال اطلاق اور عموم کے ساتھ ہوتا ہے لیکن ان کے خاص معنی مراد ہوتے ہیں۔

رہے مرکب الفاظ تو ان کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کا ایک ہی جزر اس باب کے تحت آتا ہے یا دونوں اجزا اس باب سے متعلق ہوتے ہیں۔ پھر مقدم الذکر کی دو صورتیں ہیں یا تو پہلا جزر اس باب سے متعلق ہوتا ہے یا دوسرا جزر۔ پہلے جزر کی مثال:

- ضُعْفُ المِعْدَہ: لفظ ضعف کا مفہوم اگرچہ کسی متعین قوت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ لیکن اطبار اس سے قُوَّتِ ھَاضِمَہ کا ضعف مراد لیتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ کسی عضو کو ضعیف اسی وقت کہا جاتا ہے جب اس کا فعل بگڑ جائے اور تمام لوگوں کے نزدیک معدہ کا فعل ہضم ہے اسی لیے معدہ کو اسی وقت ضعیف کہا جاتا ہے جب اس کی قوت ہاضمہ میں ضعف لاحق ہو جائے۔

دوسرے جزر کی مثال: سِکَنْجَبِیْنِ بُزُوْرِی۔ اس سے مراد وہ سکنجبین ہے جو چار تخموں سے تیار کی جائے۔ اس نام پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ "علمائے صرف کے نزدیک یہ قاعدہ ہے کہ نسبت کے وقت جمع کو واحد سے بدل دیا جاتا ہے۔ اس لیے بزور کے بجائے بزری کہنا چاہیئے۔" اس لیے کہ وہ اسمیت غالب ہونے کی وجہ سے انصاری اور اعرابی کی طرح ہوگیا ہے۔

دونوں اجزار کے اس باب میں داخل ہونے کی مثال: الشَّرَابُ المَمْزُوْج:۔ یہاں شراب کا لفظ اگرچہ عام اور مطلق ہے لیکن اس سے مراد خمر (شراب) ہے۔ اسی طرح ممزوج لغت کے اعتبار سے عام ہے لیکن یہاں مراد ہے مَمْزُوْجٌ بِالمَاءِ یعنی پانی میں ملی ہوئی شراب۔

باب ۲۶

دوزبانوں سے مرکب الفاظ

باب سوم میں جہاں ہم نے عجمی الفاظ کے طب عربی میں داخل ہونے کی کیفیت بیان کی ہے وہیں الفاظ کے مرکب ہونے کا سبب بھی بیان کر دیا ہے۔ یہاں ہم اس کی چند مزید مثالیں ذکر کرتے ہیں۔

★ عربی اور فارسی سے مرکب ہونے والے الفاظ کی مثال: بَرْسَام اور سَرْسَام (جیساکہ مشہور ہے) اور بَزْرُالبَنج، بَزْرُالجَزَر، حَبُّ البَنَفْسَج اور شِیْرَج الطین وغیرہ ان مرکب الفاظ میں برسام، سرسام اور شیرج الطین میں سے ہر ایک کا پہلا جزء فارسی زبان کا ہے۔ بَر بمعنی صَدْر (جیساکہ اطبار کہتے ہیں) سر بمعنی رَأس، شِیْرَج شیرہ کا معرب ہے۔ اور صَدْر اور طِین عربی الفاظ ہیں۔ سام کے یونانی لفظ ہونے کا قول قابل اعتبار نہیں ہے جیساکہ آگے آئے گا۔ برسام اور برسام کو میں نے جمہور کی تبعیت میں اس باب میں ذکر کیا ہے ورنہ حقیقت میں ان کے دونوں اجزار فارسی زبان کے ہیں۔ بَزْرُالبَنج، بَزْرُالجَزَر اور حَبُّ البَنَفْسَج سب کے مضاف الیہ معرب فارسی الفاظ ہیں۔

• عربی اور یونانی سے مرکب ہونے کی مثال: حَبُّ القُوقَایَا۔ پہلا جزء ظاہر ہے کہ عربی لفظ ہے اور قُوقَایَا یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سر کے آتے ہیں۔ چونکہ یہ حب سر سے فضلات کا تنقیہ کرتا ہے۔ اس لیے اسے اسی نام سے موسوم کر دیا گیا۔

• فارسی اور سریانی سے مرکب ہونے کی مثال، جوزُالاَقْلِیْطِی، جوز فارسی لفظ ہے اور اَقْلِیْطِی کو سریانی لفظ کہا جاتا ہے۔

باب ۲۷

اشتراک لفظی اور مشابہت

جب ایک لفظ کے کئی معانی ہوں تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ یا تو تمام معانی پر اس کی دلالت یکساں ہوگی نہ کہ وہ ایک معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اور دوسرے پر اس کی دلالت ثانوی ہو۔ یا ایسا نہیں ہوگا۔ اول الذکر صورت میں اسے مشترک لفظی اور مؤخر الذکر صورت میں مشابہ کہیں گے۔

اشتراک کی مثال:

- **جُمجُمَة:** اس کا اطلاق قَحَف (گدی) پر بھی ہوتا ہے اور پورے سر پر بھی۔
- **جَمَال:** بسا اوقات اطبار اسے مطلق بولتے ہیں اور اس سے جمال عرفی مراد لیتے ہیں۔ یعنی رنگ میں نکھار اور جلد کا ملائم ہونا اور کبھی اس سے اعضاء کا مزاج اور ہیئت کے اعتبار سے بہتر حالت میں ہونا مراد لیتے ہیں۔
- **ضُعفُ الاَسنَان:** کبھی اس سے دانتوں کا جماؤ کم ہونا مراد ہوتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق گرم سرد اور سخت چیزوں کو برداشت نہ کر سکنے پر ہوتا ہے اس معنی میں وہ ذَهَابُ مَاءِ الاَسنَانِ کے مساوی ہو جاتا ہے اور کبھی اس سے مراد دانتوں میں ضرر اور آفت قبول کرنے کی استعداد پیدا ہونا ہے۔
- **وَضع:** اشتراک لفظی کی رو سے یہ بھی دو معانی پر دلالت کرتا ہے۔ ایک محل کا تقاضا کرنا اور دوسرے مشارکت و مجاورت (یعنی محل کے قریب و بعید

ہونے کے اعتبار سے ایک شئ کی دوسری شئ کی طرف نسبت) کا تقاضا کرنا۔
مشابہت کی مثال :

• خِلْط : متعدد معانی پر دلالت کرتا ہے۔ رطب سیال جسم جس کی طرف غذا کا اولاً استحالہ ہوتا ہے۔ ثانیاً جز رجیسا کہ فن ادویہ میں بولا جاتا ہے اَخْلاطُ المُرکَّب یعنی مرکب کے اجزار ــــ تیسرا معنی پہلے سے عام ہے۔ اس میں دوسری رطوبات مثلاً مَنِی اور رُطُوبَاتِ ثَانِیَہ بھی داخل ہوجاتی ہیں۔ لفظ خلط کا پہلا معنی زیادہ مشہور ہے۔ اگر خلط کو مطلق بولا جائے تو ذہن فوراً پہلے معنی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ اس کے دوسرے معانی کی وضع ثانوی ہے۔

• مُصَوِّرَہ: اس قوت کو کہتے ہیں جو منی بناتی ہے۔ یہ وضع اولی ہے۔ اس کے معنی خیال کے بھی آتے ہیں۔ کیوں کہ اسی قوت کے ذریعہ ذہن میں خیالات پیدا ہوتے ہیں۔

• خَیَال : اس کا اطلاق کبھی اس قوت پر ہوتا ہے جو صورتوں کو محفوظ رکھتی ہے یہ حِسّ مُشْتَرک کا ذخیرہ ہوتی ہے اور کبھی اس کا اطلاق ان رنگوں پر ہوتا ہے جو آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتے ہیں لیکن خارج میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔

• دَشْبَذ : اس کا اطلاق کبھی اس شئ پر ہوتا ہے جو غضروف یا عظم کے ٹوٹنے کے بعد جڑتے وقت ٹوٹنے کی جگہ پر پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس کا مشہور معنی ہے لیکن کبھی اس کا اطلاق اس شئ پر بھی ہوتا ہے جو زخم میں نمودار ہوتی ہے اور جو ہر عضو میں سے نہیں ہوتی۔

• دِمَاغ: اس کا اطلاق کبھی مخ پر ہوتا ہے جس میں حس نہیں ہوتی۔ یہی معنی مشہور ہے اور کبھی گدی کے اندر موجود تمام اشیار (مخ اور دوسری چیزوں) پر ہوتا ہے۔ اس میں اعصاب کی وجہ سے حس ہوتی ہے اور کبھی اس کا اطلاق پورے سر پر ہوتا ہے۔

• رَأس: اس کا اطلاق بھی کئی معانی پر ہوتا ہے: (۱) گردن کے اوپر کا حصہ (۲) قحف جدرانِ اربعہ قاعدہ اور اس کے اندر پائے جانے والے اعضار مثلاً مُخ اور شَبکہ وغیرہ اور قُحف سے اوپر کے اعضار مثلاً سِمحاق، لحم

اور جذن وغیرہ۔ مؤخر الذکر معنی زیادہ مشہور ہے۔

• رَحِم: اکثر اس کا اطلاق اس عضو پر ہوتا ہے جس میں نطفہ ٹھہرتا ہے کبھی عرف اس کی عنق کو بھی رحم کہہ دیتے ہیں۔

• بُطُونِ دِماغ: عموماً اس سے مراد وہ فضائیں ہوتی ہیں جو مُخ میں پائی جاتی ہیں۔ کبھی اس کا اطلاق ان خالی جگہوں پر ہوتا ہے جو قَحف کے اندروں میں پائی جاتی ہیں اور کبھی یہ ان فضاؤں کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو اُمّ جَافِیہ کے اندر ہوتی ہیں۔

• تَقَلُّبُ النَّفس: اس کا اطلاق کبھی معمولی متلی پر ہوتا ہے اور کبھی کھانے کی خواہش نہ ہونے کو کہتے ہیں لیکن اول الذکر معنی مؤخر الذکر سے زیادہ عام اور مشہور ہے۔

• حَالِبَین: اکثر یہ ان دو نالیوں کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ مائیت گردے سے مثانہ میں آتی ہے۔ کبھی اس کا اطلاق ان دو عروق پر بھی ہوتا ہے جو حلق کے دونوں طرف ہوتی ہیں۔

• خَام: مشہور یہ ہے کہ یہ بلغم غیر طبعی کی ایک قسم ہے لیکن کبھی اس کا اطلاق اس مائیت پر بھی ہوتا ہے جو برتن میں نیچے بیٹھ جاتی ہے جس کے اجزاء رقیق ہوتے ہیں اور اس میں بدبو نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس کا اطلاق اس چیز پر بھی ہوتا جو پکی نہ ہو گویا یہ مَطبُوخ کی ضد ہے۔

• بُندُقَہ: اس کے دو معانی ہیں (۱) وہ چیز جو شیاف کے مثل دبر میں رکھی جائے۔ (۲) ایک وزن جو ایک درہم کے برابر ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بُندُقَہ اس براز کو بھی کہتے ہیں جو خشک ہو کر مینگنی کی طرح ہو گیا ہو۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ اس کے معنی میں شامل نہیں ہے۔ یہاں مشابہت کی بحث میں اعتبار لفظ کے صرف اس معنی کا ہوگا جس کی طرف ذہن منتقل ہو جائے۔ جبکہ بُندُقَہ میں ایسا نہیں ہے۔ بعض اطبا نے جب براز متغیر کو بیان کرنا چاہا تو اسے بندقہ سے تشبیہ دی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس قسم کے براز پر اس لفظ سے دلالت ہوتی ہے۔

باب ۲۸

وہ الفاظ جنھیں عام طور پر غلط پڑھا جاتا ہے

اس قسم کی غلطیاں الفاظ کو ٹھیک سے ضبط تحریر میں نہ لانے اور بے پرواہی کرنے سے ہوتی ہیں۔ ذیل میں کچھ الفاظ بیان کیے جاتے ہیں جنھیں عام طور سے غلط پڑھا یا لکھا جاتا ہے۔

اَنفِحَۃ : ف کے زبر سے پڑھا جاتا ہے۔ حالانکہ صحیح ف کے زیر سے ہے۔

اَیَارِج : ی کے زبر سے پڑھا جاتا ہے حالانکہ صحیح زیر ہے۔

بِسد (مرجان کی اصل) ب کے پیش سے پڑھا جاتا ہے حالانکہ صحیح زیر کے ساتھ ہے۔

حِلَزُون: ل کے سکون سے پڑھا جاتا ہے حالانکہ صحیح ل کے زبر سے ہے۔

خِیرُی: خ پر زبر پڑھا جاتا ہے حالانکہ صحیح زیر ہے۔

ذُبَحَۃ: ذ کے پیش اور ب کے سکون سے پڑھا جاتا ہے جبکہ صحیح ب کے زبر سے ہے ذبحہ، حلق کے دونوں جانب، نگلنے والے عضلات میں ورم پیدا ہو جانے کو کہتے ہیں۔

رَصَاص: ر کے زیر سے پڑھا جاتا ہے حالانکہ صحیح زبر ہے۔

شُبرُم: ش کے زیر سے پڑھا جاتا ہے حالانکہ صحیح پیش کے ساتھ ہے شبرم ایک قسم کی نبات ہے جو باغوں میں اگتی ہے۔

شَرسُوف: ش کے پیش سے پڑھا جاتا ہے حالانکہ صحیح زبر ہے۔

شُونِیز: ش کے زبر سے پڑھا جاتا ہے حالانکہ صحیح پیش ہے۔

صَمُرُوج: ص کے زبر سے پڑھا جاتا ہے حالانکہ صحیح پیش سے ہے۔

باب ۲۹

غیر منصرف الفاظ

غیر منصرف ان الفاظ کو کہتے ہیں جن میں نو علتوں میں سے کوئی دو علتیں پائی جائیں۔ یا کوئی ایک علت پائی جائے جو دو کے قائم مقام ہو۔ یہ علتیں منع صرف کے اسباب ہیں۔ ان نو اسباب کو ایک شاعر نے درج ذیل دو اشعار میں منظوم کر دیا ہے:

عدل و وصف و تانیث و معرفۃ — و عجمۃ ثم جمع ثم ترکیب
والنون زائدۃ من قبلھا الف — و وزن فعل وھذا القول تقریب

چونکہ طب میں غیر منصرف الفاظ کثرت سے آئے ہیں۔ اس لیے ہم نے بہتر سمجھا کہ ان میں سے کچھ کا تذکرہ اس باب میں کر دیں۔ ان الفاظ میں اکثر عجمۃ اور معرفۃ کی علتیں پائی جاتی ہیں مثلاً: اَفلَاطُونُ، جَالِینُوسُ، اَرَسطُو، بُقرَاط، سُقرَاط وغیرہ۔ یہ عجمی الفاظ ہونے کے ساتھ ساتھ یونانی حکماء کے نام بھی ہیں۔

باب ۳۰

اسماء منسوبہ

اسم کے آخر میں جب ی نسبتی آجائے تو وہ صفت ہو جاتا ہے۔ یہ صفت جب

موصوف پر غالب ہو جائے تو موصوف حذف ہو جاتا ہے اور صفت اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اس باب میں ہم ان اسماء کا تذکرہ کریں گے جن کے موصوفات وصفیت کے غلبہ کی وجہ سے حذف ہو گئے اور صفت ان کی قائم مقام ہو گئی۔ وصفیت کے غلبہ کا اعتبار اس وقت ہوگا۔ جب سامع کے سامنے وہ لفظ آتے ہی اس کا ذہن صفت کے موصوف کی طرف منتقل ہو جائے۔ اس قسم کے کچھ الفاظ درج ذیل ہیں:

حَصُفِی: جَرَبُ العَین کی ایک قسم ہے۔

خَنجَرِی: عظام صدر کے نیچے اور فَمِ مِعدَہ کے مُحَاذَاۃ میں ایک غضروفی ہڈی ہوتی ہے جسے خنجر سے مشابہت کی بنا پر خنجری کہتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ عَظمُ القَصّ سے ملتی ہے تو خنجر کی شکل بن جاتی ہے اس وقت عظم القص خنجر کے پھل کے مشابہ اور غضروف اس کے قبضہ کی مانند معلوم ہوتی ہے بعض اکابر کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خود غضروف خنجر کے مشابہ ہوتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔

اَنطَاکی: انطاکیہ کی جانب منسوب ہے۔ اس سے مراد سَقمُونیَا ہے چونکہ اَنطَاکِیَہ کی سقمونیا سب سے اچھی ہوتی ہے اس لیے اسے اس کی جانب منسوب کر دیا گیا۔

حِصرِمِیّہ: وہ غذا جس میں حِصرِم شامل ہو۔ مثلاً جَاصِیَہ، دُرشکیہ خَشخَاشِیَہ اور تُفَّاحِیَہ۔

فَلَافِلی: ایک معجون جو فلفل اسود، فلفل ابیض اور دار فلفل کی جانب منسوب ہے۔

بَلخِیّہ: وہ قروح جن کے ساتھ بُثُور، خُشکرِیشَات اور بہنے والا پیپ ہوتا ہے۔ اس کی نسبت بلخ کی طرف اس وجہ سے ہے۔ کیوں کہ یہ وہاں کے کھٹمل کے کاٹنے سے پیدا ہوتا تھا۔

تُرسِی: حنجرہ کے غضاریف میں سے ایک غضروف ہے جو ترس (ڈھال) کے مشابہ ہوتی ہے اسی وجہ سے اسے ترسی کہتے ہیں۔

جَادِی: شام کی ایک بستی 'جَادِیَۃ' کی جانب منسوب زعفران کو کہتے ہیں چونکہ وہاں کا زعفران اچھے قسم کا ہوتا تھا۔ اس لیے اسے اس کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

حَالِبِی: ایک دوا ہے جو وَرَم حَالِب میں فائدہ کرتی ہے۔

تِینِی: جربُ العَین کی ایک نوع ہے جس میں آنکھ کی شکل تین (انجیر) کی شکل کے مشابہ ہوتی ہے۔

منسوب اور منسوب الیہ کے درمیان تعلق کی کئی صورتیں ہیں۔

- مشابہت جیسے عَنْبَرِی، تِینِی، حَصَفِی وغیرہ
- ملابست جیسے بَلْخِیَہ
- فائدہ کے اعتبار سے منسوب الیہ جزر کی اہمیت جیسے حِصْرِمِیَّۃ
- منسوب الیہ کے کسی شئی میں نفع پہنچانے کی صلاحیت جیسے حَالِبِی
- کسی علاقے میں پائی جانے والی شئی کی خوبی جیسے جَادِی اور اَنْطَاکِی

باب ۳۱

وہ الفاظ جو بیک وقت کئی احوال پر دلالت کرتے ہیں

بعض الفاظ ایسے ہیں جو بیک وقت کئی احوال پر دلالت کرتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوا کہ ایک باب کے تحت ان کا بھی تذکرہ کر دیں۔ اگرچہ وہ کم ہیں اور یہاں ہم ان میں سے صرف چند ہی کا تذکرہ کریں گے۔ مثلاً:

اَعْمَش: اس کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جسے کم دکھائی نہ دیتا ہو اور ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری رہتے ہوں۔ اگر کسی شخص میں ان میں سے کوئی ایک ہی حالت پائی جا رہی ہو (مثلاً صرف دکھائی نہ دیتا ہو یا صرف آنسو جاری رہتے ہوں) تو اس کو اعمش نہیں کہیں گے۔

قِنْب: اس میں فم رحم شدت سے مل جاتا ہے اور صلابت پیدا ہو جاتی ہے جو نُلغموني

کے بعد رونما ہوتی ہے۔

سِلّ : کا شمار قرشی کے قول کے مطابق اس باب میں ہوگا۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک اس سے قُرحَۃ رِیَہ اور حُمّٰی دِقّ دونوں پر دلالت ہوتی ہے۔

نَبْضَۃ : کا شمار اس باب میں نہیں ہوگا۔ کیوں کہ حرکت اور سکون دونوں ایک وقت میں نہیں پائے جاتے، اسی طرح دو متضاد حرکتیں بھی بیک وقت نہیں پائی جا سکتیں۔

دَرَم :۔ کا اطلاق چونکہ اطبار کے نزدیک اس واحد ہیئت پر ہوتا ہے جو سوء مزاج مادی، تفرق اتصال اور مرض ترکیب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا شمار بھی اس باب میں نہیں ہوگا۔

حاصل یہ کہ اس باب کے تحت وہ مفرد الفاظ آئیں گے جو ایک سے زیادہ حالتوں پر دلالت کرتے ہوں۔

باب ۳۲

وہ الفاظ جو قریب قریب ایک جیسے لکھے جاتے ہیں

یہ باب ہم نے اس لیے منعقد کیا ہے کیوں کہ کاتب کبھی کبھی کم علمی کی وجہ سے بعض ایسے الفاظ میں جو قریب قریب ایک جیسے لکھے جاتے ہیں تصحیف کر دیتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی قاری بھی انھیں غلط پڑھتا ہے جس کی وجہ سے جو کچھ سمجھنا چاہیئے وہ سمجھ نہیں پاتا۔ مثلاً اگر ہم کہیں:

• انّ ماء الورد ینفعُ الغَشِی: (ش سے) اس کا مطلب یہ ہے کہ ماء الورد غشی میں فائدہ کرتا ہے۔ لیکن اگر کاتب یا قاری اسے غلطی سے غثی (ث سے) لکھ دے یا

پڑھے تو معنی بدل جائیں گے اور اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ماء الورد متلی میں فائدہ کرتا ہے۔ پھر اگر ماء الورد کسی ایسے شخص کو استعمال کرایا جائے جسے متلی آرہی ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

ایک جیسے لکھے جانے والے کچھ الفاظ درج ذیل ہیں:

- تُفَّاحَہ اور تُفَّاحِیَہ : تفاحہ عظم الفخذ کے گول سرے کو کہتے ہیں جو کہ حُقِّ الورِک میں داخل ہوکر مفصل ورک بناتا ہے اور تُفَّاحِیَہ اس مرضی کیفیت کو کہتے ہیں جس میں طبقۂ قرنیہ کے پھٹ جانے سے طَبقۂ عِنَبِیَہ باہر نکل کر پلکوں تک پہنچ جاتی ہے۔
- تُوتَہ اور تُوثَہ : توتہ رخسار کی گہرائی میں نکلنے والی وہ پھنسی ہے جس میں قرحہ بن جاتا ہے جبکہ تُوثَہ بواسیر کی ایک قسم ہے۔ شاید اطباء التباس کے خوف سے دونوں میں فرق ت اور ث سے کرتے ہیں ورنہ توت کی ایک لغت توث بھی ہے۔
- بَلعَم اور بَلغَم بلعم مری کو کہتے ہیں جس سے مطعومات و مشروبات گزر کر معدہ میں جاتے ہیں جبکہ بلغم اخلاط اربعہ میں سے ایک خلط ہے۔
- عُطاس اور عُطاش :- مقدم الذکر دماغ کی حرکت ہے جس سے وہ ناک سے نکلنے والی ہوا کے ذریعہ شئ موذی کو دفع کرتا ہے جس طرح کہ ریہ سے شئ موذی کو دفع کرنے کے لیے کھانسی اور معدہ سے شئ موذی کو دفع کرنے کے لیے قے اور اُبکائی آتی ہے جبکہ موخر الذکر بچوں میں ہونے والا ایک ورم حار ہے۔

باب ۳۳

وہ الفاظ جن سے مراتب پر دلالت ہوتی ہے

اطباء بعض امراض کے لیے اس کے مراتب کے اعتبار سے الفاظ استعمال کرتے

ہیں ۔ مثلاً مرض کی ابتداء کو ایک خاص نام سے پکارتے ہیں ۔ اس کے زمانۂ اشتداد کے لیے دوسرا لفظ بولتے ہیں اور انتہا کے وقت تیسرا لفظ استعمال کرتے ہیں ۔ مثال کے طور پر جب معدہ کسی چیز کو دفع کرنا چاہتا ہے تو اسے غَثَیَان (متلی) کہتے ہیں ۔ اگر یہ حالت قائم رہے ۔ تو اسے تَقَلُّبُ النَّفَس کا نام دیتے ہیں ۔ پھر اگر معدہ اس شئی کو دفع کرنے کی کوشش کرے لیکن منھ سے کچھ نہ نکلے تو اسے تَہَوُّع (ابکائی) کہتے ہیں اور اگر ساتھ ہی کچھ منھ سے بھی نکلے تو اسے قَے کہتے ہیں ۔

• جگر میں کسی بیماری کے سبب پانی جمع ہونا شروع ہو جائے تو اسے سُوْءُ الْقِنْیَہ کہتے ہیں اور جب پانی زیادہ مقدار میں جمع ہو جائے تو اِسْتِسْقَاء کہتے ہیں ۔

• حرارت جب شبنم کی مانند اعضاء پر پھیلی ہوئی رطوبت کو متاثر کرے تو اسے دِق کہتے ہیں ۔ ابو سہل مسیحی نے اسے حُمّٰی دِقٌ مُرْسَلَہ سے تعبیر کیا ہے ۔ پھر جب وہ اس رطوبت کو ختم کر دے اور ساتھ ہی اس رطوبت کو بھی تحلیل کرنے لگے جو منجمد ہونے کے قریب تھی تو اسے ذُبُول کہتے ہیں ۔ پھر جب اسے ختم کرنے کے بعد ان رطوبات کو بھی فنا کرنے لگے جن سے تماسک اجزاء ہوتا ہے تو اسے مُفَتِّت اور مُخَشِّف کہتے ہیں ۔

• خلط جب رطوبت میں تبدیل ہو جائے تو اسے رُطُوْبَۃٌ مَحْصُوْرَۃٌ فِی اَفْوَاہِ الْعُرُوْقِ الصِّغَارِ (چھوٹی عروق کے کناروں میں محصور رطوبت) کہتے ہیں ۔ پھر جب یہ رطوبت وہاں سے نکل کر اعضاء کی سطحوں پر پھیل جائے تو اسے طَلِّیَہ اور رَذَاذِیَہ کہتے ہیں ۔ پھر جب اس میں تخثر (COAGULATION) پیدا ہو جائے تو اسے قَرِیْبَۃُ الْعَھْدِ بِالْاِنْعِقَادِ وَالْجُمُوْدِ (انجماد کے قریب پہنچ جانے والی رطوبت) کہتے ہیں ۔

• جب تمام بطون دماغ میں ناقص طور پر انسداد ہو جائے تو اسے صَرَع کہتے ہیں اور جب انسداد تام ہو تو اسے سَکْتَہ کہتے ہیں ۔

• اعضاء رأس میں درد اگر صرف ایک جانب ہو تو شَقِیْقَہ اور پورے سر میں ہو

تو بَیضَہ اور خُوذَہ کہتے ہیں۔

جب محموم (بخار زدہ) شخص کو جلد اور عضلات میں بار بار ٹھنڈک اور چبھن محسوس ہو تو اسے تکسّر کہتے ہیں اور جب انہیں اعراض میں اضافہ ہو جائے تو قشعریرہ کہتے ہیں۔

جب اعضا میں اور عضلات کی سطحوں پر ٹھنڈک محسوس ہو تو اسے بَرْد (ٹھنڈک) کہتے ہیں اور جب اس میں اتنی زیادتی ہو جائے کہ اعضا میں کپکپی اور غیر ارادی حرکات ہونے لگیں تو اسی کو نافِض کہتے ہیں۔

باب ۳۴

وہ الفاظ جو خود اصطلاحی نہیں لیکن انکی اقسام اصطلاحی ہیں

طب میں کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جو خود تو اصطلاحی نہیں ہیں لیکن ان کی قسموں کا استعمال بطور اصطلاح ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر خِدمَت اس کے طب میں بھی وہی معنی ہیں جو لغت میں ہیں لیکن خِدمَۃ مُؤدِیَۃ اور خِدمَۃ مُہَیِّئَۃ دونوں اصطلاحی الفاظ ہیں خِدمَۃ مُؤدِیَۃ کا مقصد یہ ہے کہ عضو مخدوم نے جو کام انجام دیا ہے اسے دوسرے (قبول کرنے والے) اعضا تک پہنچایا جائے چنانچہ شَرائِین قلب کی اَعصَاب دماغ کی اور اَوْرِدَہ کَبِد کی خدمت انجام دیتے ہیں

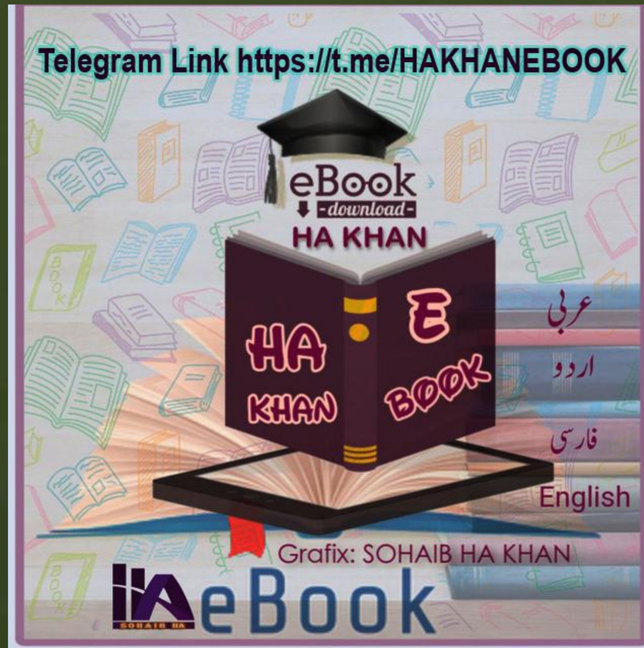
اور خِدمَۃ مُہَیِّئَۃ کا مقصد یہ ہے کہ مادہ کو مخدوم کا فعل قبول کرنے کے لیے تیار کیا جائے۔ مثلاً رِئَہ (پھیپھڑا) قلب کی خدمت یوں انجام دیتا ہے کہ اس کے لیے ہوا کو صاف کرتا ہے تاکہ بعض اطبا کے مسلک کے مطابق اس سے اور لطیف اخلاط سے روح ترکیب پا سکے اور قلب کو راحت ملے جس سے وہ اپنے افعال انجام دینے پر قادر ہو سکے۔ اس لیے کہ اس کی طبعی حرارت (جو اسے حرکت دائمہ سے حاصل ہوتی ہے) کی وجہ سے اس کے افعال میں خلل واقع ہوتا ہے۔

مترجم کی دیگر زیرِ طبع/زیرِ ترتیب کتابیں

رسائلِ مسیح الملک مسیح الملک حکیم اجمل خاںؒ نے عربی زبان میں متعدد طبی رسائل تصنیف کیے ہیں۔ انھیں کا اُردو ترجمہ اس مجموعہ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ ان رسائل میں فن کشتہ سازی، دورانِ حمل مدرات کا استعمال؟ دواؤں میں شکریات کا استعمال؟ کیا پانی جزءِ بدن بنتا ہے؟ اور دوسرے متعدد اہم موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

افاداتِ رازی اس کتاب میں مشہور مسلم طبیب محمد بن زکریا رازی کی حیات اور طبی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مختلف طبی علوم اور خاص کر معالجات میں اس کے اضافات اور مجربات بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی شہرۂ آفاق کتاب 'الحاوی الکبیر فی الطب' اور دوسرے اہم مخطوطات کا تعارف کرایا گیا ہے اور تعدیہ امراض، سرطان، ضیق النفس، ورم بلغمی، امراضِ جلد اور دوسرے اہم موضوعات پر اس کی تحقیقات پیش کی گئی ہیں۔

طبِ نبویؐ۔ ایک تحقیقی مطالعہ طب نبوی کی کیا حیثیت ہے؟ اس کا شمار دنیوی علوم میں ہوتا ہے یا اس کی کچھ شرعی حیثیت ہے؟ احادیث میں مرض اور صحت کا کیا تصور پیش کیا گیا ہے اور تیمار داری کے کیا آداب بیان کیے گئے ہیں؟ حفظانِ صحت، متعدی امراض سے احتیاط اور اصول علاج کے سلسلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے کیا ہدایات دی ہیں؟ نیز طب نبوی میں بغرض علاج کیا کیا دوائیں اور غذائیں بیان کی گئی ہیں؟ اس کتاب میں ان سب موضوعات کا ایک تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔


Telegram Link https://t.me/HAKHANEBOOK
eBook
-download-
HA KHAN
HA
KHAN
E
BOOK
عربی
اردو
فارسی
English
Grafix: SOHAIB HA KHAN
HA eBook